یکم و ۱۶ اپریل ۲۰۲۴ء | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | جلد نمبر: ۱۷ ۔ شمارہ نمبر: ۷۔۸

پندرہ روزہ
معارف فیچر کراچی
MA'ARIF FEATURE

مدیر: سیّد شاہد ہاشمی

نائب مدیران: منعم ظفر خان، سید سمیع اللہ حسینی، نوید نون ۔ معاون مدیران: غیاث الدین، محمد عمید فاروقی

ڈی ۔ ۳۵، بلاک ۔ ۵، فیڈرل 'بی' ایریا، کراچی ۔ ۷۵۹۵۰

فون: ۳۶۸۰۹۲۰۱۔۳۶۳۴۹۸۴۰(۹۲۔۲۱)

برقی پتا: irak.pk@gmail.com، ویب گاہ: www.irak.pk

Fortnightly "Maarif Feature" Karachi: REG.No.SC-1303

۱ ۔ **معارف فیچر** ہر ماہ کی یکم اور سولہ تاریخوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے' جو اسلام سے دلچسپی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لیے اہم یا مفید ہو سکتی ہیں۔

۲ ۔ پیش کیا جانے والا لوازمہ بالعموم بلاتبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون' نقطہء نظر' خیال یا معلومات کے انتخاب کی وجہ اس سے ہمارا اتفاق نہیں' اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدلل تردید یا اس سے اختلاف پر مبنی لوازمہ کو بھی جگہ دی جا سکتی ہے۔

۳ ۔ **معارف فیچر** کو بہتر بنانے کے لیے مفید معلومات کے حصول یا ان کے ذرائع تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

٤ ۔ ہمارے فراہم کردہ لوازمے کے مزید' لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی عام اجازت ہے۔

۵ ۔ **معارف فیچر** کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رہتی ہے اور عطیات قبول بھی کیے جاتے ہیں۔ **اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی**

امریکا کو پیچھے چھوڑنے کی چینی تیاریاں

گزشتہ برس چین کے صدر شی جن پنگ نے ملک کے شمال مشرق میں ہیلونگ جیانگ نامی علاقے کا دورہ کیا۔ یہ علاقہ صنعتی اعتبار سے کمزور ہے، پیچھے رہ گیا ہے۔ اس ایک علاقے کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ چینی معیشت کو چند ایسے مسائل کا سامنا ہے جن کا فوری حل ناگزیر ہے۔ اس علاقے میں شرحِ پیدائش ملک بھر میں سب سے کم ہے۔ اس خطے کے بڑے شہروں میں مکانات کی قیمتیں گر رہی ہیں۔ ۲۰۲۳ء میں اس خطے کی جی ڈی پی میں اضافے کی شرح صرف ۲ء۶ فیصد رہی۔ اِس سے زیادہ بُری بات یہ ہے کہ علاقہ تفریطِ زر کا شکار ہے یعنی معاشی سرگرمیاں ماند پڑ چکی ہیں، قیمتیں تھمی ہوئی ہیں۔ ٹھہراؤ آچکا ہے۔ مگر گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ شی جن پنگ کے پاس منصوبہ ہے۔ ہیلونگ جیانگ کے دورے میں شی جن پنگ نے عوام پر زور دیا کہ وہ نئی پیداواری قوتیں پروان چڑھائیں۔ تب سے اب تک یہ بات سرکاری میڈیا میں کئی بار دہرائی جا چکی ہے۔ گزشتہ چینی پارلیمان کے سالانہ اجلاس میں بھی یہ بات دہرائی گئی۔

پیکنگ یونیورسٹی کے پروفیسر وانگ شیانگ کنگ نے اپنی ایک نئی کتاب میں اس نئی پیداواری قوتوں والی بات کو اصلاح اور کُھلے پن سے تعبیر کیا ہے۔ ۱۹۷۸ء میں بھی یہ ہوا تھا جب چین نے کُھلے بازار کی معیشت کو گلے لگایا تھا۔ معیشت کو نئی زندگی عطا کرنے کے لیے ایسا کرنا لازم تھا۔ وانگ شیانگ کنگ کا کہنا ہے کہ نئی پیداواری قوتیں بھی اُسی طور پائیدار ثابت ہوں گی جس طور چار عشرے پہلے کی اصلاحات کارگر اور پائیدار ثابت ہوئی تھیں۔

چینی حکام معیشت کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ کئی عشروں سے چین میں محنت اور سرمائے کو زیادہ سے زیادہ متحرک رکھا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۵ء کے دوران چین میں ورک فورس یعنی افرادی قوت میں ۱۰ ارکروڑ افراد کا اضافہ ہو چکا ہے۔ اس کا سرمایہ ۲۰۲۱ء میں جی ڈی پی کے ۲۵۸ فیصد سے بڑھ کر اب ۳۴۹ فیصد ہو چکا ہے۔ یہ اعداد و شمار ایشیا پروڈکٹیوٹی آرگنائزیشن نامی تھنک ٹینک کے فراہم کردہ ہیں۔

۲۰۰۷ء سے ۲۰۰۹ء کے دوران رونما ہونے والے عالمی مالیاتی بحران کے دوران چین میں سرمائے نے املاک اور بنیادی ڈھانچے میں پناہ تلاش کی۔

چین میں افرادی قوت سکڑ رہی ہے اور املاک کی قیمتیں بھی نیچے آرہی ہیں۔ دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی طرف نقلِ مکانی بھی گھٹ رہی ہے۔ بڑے شہروں میں رہائشی منصوبے کم ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ لوگوں کو یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ بلڈر عمارتوں کو ادھوری چھوڑ کر چل دیں گے۔

املاک کے شعبے میں پیدا ہونے والی گراوٹ نے صارفین کے اعتماد میں غیر معمولی کمی کی راہ ہموار کی ہے جس کے نتیجے میں مقامی حکومتوں کو اراضی کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کمی کا سامنا ہے۔

کورونا وائرس کی وبا کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک چینی معیشت کی بحالی کا عمل تیز ہے نہ مربوط و ہموار۔ پیداواری صلاحیت کو بحال کرنے سے متعلق اقدامات پر خاطر خواہ فنڈنگ نہیں کی جا رہی۔ مسلسل تین سہ ماہیوں سے تفریطِ زر برقرار ہے۔ قیمتیں تھم سی گئی ہیں۔ اس کے نتیجے میں معیشتی سرگرمیاں ماند پڑی ہوئی ہیں۔ جب معیشتیں اُس مقام پر ہوتی ہیں جہاں اِس وقت چینی معیشت ہے تب وہ اشیا سے خدمات کی طرف جاتی ہیں۔ چینی حکومت کا دل کہیں اور ہے۔ کورونا کی وبا نے چینی مصنوعات کی طلب بڑھا دی۔ ماسک سے ایکسرسائز بائیک تک چین کی کون سی مصنوعات تھیں جو بڑی تعداد میں فروخت نہیں ہوئیں؟

چین نے مینوفیکچرنگ سسٹم کو جدید ترین بنانے اور ساتھ ساتھ قابو میں رکھنے کے لیے متنوع پالیسیاں اپنائی ہیں۔ مثلاً حال ہی میں اس کی وزارتِ تعلیم نے انڈر گریجویشن کی سطح پر ہائی اینڈ سیمی کنڈکٹر سائنس اور انجینئرنگ کو زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ چین میں مینوفیکچرنگ سیکٹر کو مضبوط بنائے رکھنے کے لیے سبسڈی بھی دی جاتی ہے، ٹیکس میں رعایت بھی دی جاتی ہیں اور کم شرحِ سُود والے قرضے بھی دیے جاتے ہیں۔ سینٹر فار اسٹریٹجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز کے مطابق امریکا اس مد میں جو کچھ خرچ کرتا ہے یہ اُس سے تین گنا ہے۔

کنسلٹنسی فرم گیویکل ڈریگونومکس کے ٹِلی ژھینگ کہتے ہیں چین اگلے صنعتی انقلاب کا لیڈر بننا چاہتا ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی روایتی صنعتوں کو اپ گریڈ کرے، موجودہ ٹیکنالوجی پر بیرونی تصرف توڑے اور کل کی صنعتوں کے لیے ابھی سے موزوں راہ متعین کرے۔ چین کی مرکزی

اندرونی صفحات پر

- چین اور یورپ کی تجارتی سرد جنگ
- بنگلا دیش: ترقی کا سُندر سپنا ٹوٹ گیا؟
- لوک سبھا انتخابات اور 'دی ڈکٹیٹر' کی دوڑ
- اسلام کا فلسفہ نصرت و آزمائش
- پچھلے پانچ برسوں میں کشمیر میں کیا بدلا؟
- موت کی نئی سائنس
- 'اگر بی جے پی جیت جائے تو میرا نام بدل دینا'

حکومت کی خواہش بہت متاثر کن ہے مگر اِسے حقیقت کا روپ دینے کے لیے لازم ہے کہ مقامی حکومتیں بھی ساتھ ساتھ چلیں جبکہ اِس وقت مقامی حکومتوں کو فنڈز کی ضرورت ہے اور نجی آجروں کا اعتماد پوری طرح بحال نہیں ہوا ہے۔ چینی قیادت کی منصوبہ سازی طویل المیعاد بنیادوں پر نہیں۔ وہ فوری نتائج اور فوری فوائد چاہتی ہے۔

یونیورسٹی آف کیلیفورنیا (سان ڈیاگو) کے بیری نوٹن کے خیال میں نئی پیداواری قوتوں کو اس جدلیاتی تصور کی طرف لے جاتا ہے کہ چند مقداری تبدیلیوں کا مجموعہ، جیسا کہ ہیگل نے لکھا ہے، معیار کی سطح پر شکست و ریخت کا باعث بنتا ہے۔ یہ ایسا ہی معاملہ ہے جیسے پانی کا درجہ حرارت بڑھتا ہے تو وہ بھاپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کارل مارکس نے لکھا تھا کہ جب نئی پیداواری قوتیں معیشت میں خاصا وزن رکھنے لگتی ہیں تب سماجی ڈھانچے کی تشکیلِ نو شروع ہو جاتی ہے۔ ہاتھ سے چلائی جانے والی چکّی معاشرے کو جاگیردار دیتی ہے۔ بھاپ سے چلنے والی چکّی صنعتی سرمایہ دار دیتی ہے۔ نئی پیداواری قوتیں معاشرے میں معنی خیز تبدیلی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہیں۔

شی جن پنگ کہتے ہیں کہ نئی پیداواری قوتوں کا اصل امتحان پیداوار کے تمام بنیادی عوامل میں بہتری لانا ہے۔ کلاسیکی معاشیات کہتی ہے کہ پیداواری عمل سرمائے، محنت اور انسانی سرمائے پر مشتمل ہوتا ہے۔ فی زمانہ کسی بھی کاروباری عمل کا مجموعی نتیجہ یعنی OUTPUT محض INPUTS کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ دوسرے بہت سے عوامل بھی اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں مگر ہم اُن کی پیمائش سے گریز کرتے ہیں۔ نوٹن کے مطابق اس کسی بھی کاروباری عمل کے مجموعی نتائج کو یقینی بنانے میں جو عوامل پسِ پردہ رہتے ہوئے اپنا اپنا کردار خاموشی سے ادا کرتے ہیں اُنہیں سمجھنا بہت پیچیدہ عمل ہے۔

شی جن پنگ کہتے ہیں کہ نئی پیداواری قوتیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے اطلاق کے نتیجے میں پیداوار کی طرف جائیں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں چین کو موجودہ سطح کی امنگ اور خواہش سے بلند ہوتے ہوئے کچھ کرنا ہوگا۔ فی زمانہ کسی بھی شعبے کے علوم و فنون محض دل بستگی کا ذریعہ نہیں بلکہ اُن کا حتمی اور قطعی مقصد معاشی و مالی معاملات کی جڑیں مضبوط کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ جو کچھ بھی سیکھا جائے اُس سے معاشی معاملات کو مضبوط بنانے کا کام لیا جائے۔ چینی قائدین نے ٹیکنالوجیکل معاملات میں خود انحصاری کو مجموعی قومی کوشش بنانے کا وعدہ کیا ہے۔ چینی حکومت نے مارچ میں جب بجٹ کا اعلان کیا تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں پیش رفت کے لیے مختص بجٹ میں ۱۰/ فیصد اضافہ کرتے ہوئے اسے ۵۰/ ارب ڈالر تک پہنچا دیا۔ کسی بھی دوسرے شعبے کے لیے مختص بجٹ کے مقابلے میں یہ اضافہ زیادہ ہے۔

یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے کہ چین نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں اپنے آپ کو قابلِ رشک حد تک منوانے کی کوئی کوشش کی ہے۔ ۲۰۰۶ء میں ایک ۱۵/ سالہ منصوبہ شروع کیا گیا تھا جس کا مقصد تحقیق و ترقی کے بجٹ میں مرحلہ وار اضافہ، غیر ملکی ٹیکنالوجی پر انحصار میں کمی اور معاشی ترقی میں ٹیکنالوجی کا کردار بڑھانا تھا۔ اس حوالے سے ۱۶/ بڑے منصوبوں کا بھی اعلان کیا گیا تھا جن میں چین کا اپنا بڑا مسافر بردار طیارہ اور چاند کے لیے مشن شامل تھا۔

یہ منصوبہ بنیادی طور پر موجودہ ٹیکنالوجی کی نقالی تک محدود تھا۔ ۲۰۱۰ء میں عالمگیر مالیاتی بحران کے دوران چین نے راستہ بدلا۔ نئی طرح کی انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ابھرنے سے چین نے تیزی سے ابھرتی ہوئی نئی، اسٹریٹجک صنعتوں کو توجہ کا مرکز بنایا۔ تب قابلِ تجدید توانائی کا بھی غلغلہ تھا اور برقی گاڑیوں کی بھی دھوم مچی ہوئی تھی۔ ہاں، چند ایک صنعتیں شیر خوارگی کے زمانے میں تھیں۔

خیر، ۶ سال بعد چین نے توجہ کا مرکز پھر تبدیل کیا۔ ترقی کے لیے جدت سے لیس چینی حکمتِ عملی نے اس یقین کو محسوس کیا کہ عالمگیر سطح پر ایک نیا صنعتی انقلاب برپا ہو رہا ہے۔ معیشتوں میں ڈجیٹل ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ، ماحول دوست گرین ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت کا کردار ہی وسیع نہیں ہو رہا تھا، افادیت اور اثر پذیری بھی بڑھ رہی تھی۔ سوچے سمجھے بغیر کسی بھی شعبے کو گلے لگانے کے بجائے نئی حکمتِ عملی اس بات پر متوجہ رہی کہ ایسی ٹیکنالوجی کو اپنایا جائے جو ایک دوسرے کو پروان چڑھانے کا ذریعہ بن سکیں۔ تب چین نے طے کیا کہ رواں صدی کے وسط تک جدت و ندرت کے شعبے میں عالمی قائد بننا ہے۔ کنسلٹنسی فرم رھوڈیئم گروپ کا کہنا ہے کہ ۲۰۲۰ء تک چین سائنس اور ٹیکنالوجی پر اپنی خام قومی پیداوار کا ۲ء۸ فیصد (۴۲۰/ ارب ڈالر) خرچ کر رہا تھا۔ مختص فنڈنگ کا کم و بیش چھٹا حصہ جامعات اور تحقیقی اداروں کو دیا جانے لگا اور ۶۰ فیصد کاروباری اداروں کو گیا۔

نوٹن کا کہنا ہے کہ چین نے جدت و ندرت کے لیے جو کچھ سوچا اُسے تاریخی اعتبار سے کسی بھی حکومت کی طرف سے صنعتی پالیسی کے تحت حکومتی وسائل مختص کیے جانے کی سب سے بڑی مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ چین کو اس حکمتِ عملی سے کیا حاصل ہوا۔ متوسط آمدنی والے ملک کی حیثیت سے چینی مساعی کے نتائج بہت حوصلہ افزا ثابت ہوئے ہیں۔ ہاں، چینی قائدین نے جو کچھ سوچا تھا وہ پوری طرح حاصل نہیں ہو سکا ہے۔

ای کامرس، فِنٹیک، ہائی اسپیڈ ٹرین اور قابلِ تجدید توانائی کے شعبوں میں چین نے اپنے آپ کو قابلِ رشک حد تک پروان چڑھایا ہے۔ اب برقی گاڑیوں کے شعبے میں بھی چینی برتری نمایاں ہے۔ گزشتہ سال چین سب سے زیادہ برقی گاڑیاں برآمد کرنے والا ملک بن گیا۔ آسٹریلین پالیسی ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے ۶۴/ اہم ٹیکنالوجیز کی فہرست مرتب کر کے بتایا ہے کہ گیارہ کے سوا تمام ٹیکنالوجیز میں چین اس وقت دنیا کی قیادت کر رہا ہے۔ فائیو جی اور سکس جی کمیونی کیشنز میں چین پہلے نمبر پر ہے۔ بایو مینوفیکچرنگ، نینو مینوفیکچرنگ اور ایڈیٹیو مینوفیکچرنگ میں بھی چین کا کردار قائدانہ ہے۔ ڈرونز، راڈار، روبوٹکس اور سونر ٹیکنالوجی کے علاوہ پوسٹ کوانٹم کرپٹوگرافی میں بھی چین سب سے آگے ہے۔

چین نے قدرتی ماحول کا معیار بلند کرنے کے حوالے سے بھی غیر معمولی پیش رفت یقینی بنائی ہے۔ ورلڈ انٹیلیکچوئل پراپرٹی آرگنائزیشن کے شائع کردہ دی گلوبل انوویشن انڈیکس میں بنیادی ڈھانچے، ریگولیشنز اور مارکیٹ کے حالات کو ذہن نشین رکھتے ہوئے ۸۰ عوامل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ چین جیسے متوسط آمدنی والے ملک کو اپنی جی ڈی پی کے لحاظ سے اس انڈیکس میں ساٹھویں نمبر پر ہونا چاہیے مگر وہ بارہویں نمبر پر ہے۔

ان کامیابیوں کی حقیقی معاشی قدر و قیمت کا درست اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ ۲۰۱۰ء کے بعد سے اب تک چین کی ابھرتی ہوئی اسٹریٹجک صنعتوں کی فہرست طویل سے طویل تر ہوتی گئی ہے۔ اس کے نتیجے میں پیش رفت اور ترقی کا حقیقی اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ چین کے نیشنل بیورو آف اسٹیٹسٹکس کے دو ارکان نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پیداوار کی سطح پر تمام عوامل کو جانچنے کا معیار بہت مبہم ہے۔ بہر کیف، چین کے ماہرینِ اعداد و شمار کا اندازہ ہے کہ ابھرتی ہوئی اسٹریٹجک صنعتیں ۲۰۲۱ء میں جی ڈی پی کے ۱۳ء۴ فیصد تک تھیں۔ ۲۰۱۴ء میں یہ سطح ۶ء۷ فیصد تھی۔ ۲۰۲۰ء تک اس کا ہدف ۱۵/ فیصد رکھا گیا تھا۔ پراپرٹیز اور خدمات کا کردار ۱۲/ فیصد تک تھا۔

پیش رفت متاثر کن رہی ہے مگر چینی قائدین اب بھی پوری طرح مطمئن نہیں۔ امریکا نے ٹیکنالوجی کے معاملے میں جو پابندیاں عائد کر رکھی ہیں وہ تشویش کا باعث ہیں۔ امریکی ٹیکنالوجی پر منحصر شعبے مشکلات سے دوچار ہیں۔ ساتھ

ہی ساتھ یہ بات بھی پریشان کن ہے کہ امریکا ٹیکنالوجی کے شعبے میں اب تک بھرپور پیش رفت یقینی بنا رہا ہے۔ چپس اور چپس بنانے والے آلات کے معاملے میں اپنائی جانے والی حکمتِ عملی نے درآمد شدہ پرزوں پر چین کے انحصار کو بے نقاب کردیا ہے۔ مصنوعی ذہانت میں امریکا کی پیش رفت بھی پریشان کن ہے۔ چین نے اس شعبے کو نظرانداز نہیں کیا مگر خیر بہت زیادہ پیش رفت بھی ممکن نہیں بنائی جاسکی ہے۔ چین یہ سمجھتا تھا کہ مصنوعی ذہانت میں اُسے کچھ برتری حاصل ہے مگر اب معلوم ہوا کہ امریکا اور یورپ اب بھی بہت آگے ہیں۔ ۲۰۲۲ء میں اوپن اے آئی کے تیار کردہ لارج لینگویج ماڈل چیٹ جی پی ٹی دیکھ کر چینی قائدین ششدر رہ گئے۔

ٹیکنالوجی کے شعبے میں چین کے لیے مشکلات خود اُس کے قائدین نے پیدا کی ہیں۔ ۲۰۲۱ء میں چین کی کئی بڑی ہائی ٹیک کمپنیوں کے خلاف اس الزام کے تحت کریک ڈاؤن کیا گیا کہ وہ ڈیٹا کو ڈھنگ سے بروئے کار نہیں لارہیں، مسابقت ٹال رہی ہیں اور محنت کشوں کا استحصال کررہی ہیں۔ اس کریک ڈاؤن سے ہائی ٹیک کے کئی پلیٹ فارم متاثر ہوئے اور اُن کی کارکردگی کا گراف نیچے آگیا۔ ہارڈ ٹیک والے بہت سے اداروں کے مقابلے میں صارفین کا براہِ راست سامنا کرنے والے ادارے (مثلاً علی بابا اور ماٹوآن) شدید متاثر ہوئے۔ سرمایہ کاروں کا اعتماد مجروح ہوا۔ جن پلیٹ فارم کمپنیوں کو حکومت کی ناراضی کا سامنا رہا ہے ان کے پاس ڈیٹا بھی بہت زیادہ ہے اور وہ بہت سی فرنٹیئر ٹیکنالوجی میں سرمایہ کاری بھی کر رہی ہیں۔ رھوڈیم کے مطابق ۲۰۲۳ء میں چین کی بڑی انٹرنیٹ کمپنیوں نے تحقیق و ترقی پر فنڈنگ میں ۷ فیصد کمی کردی۔

شی جن پنگ نے مجموعی پیداواری قوت میں جتنے اضافے کی توقع کی تھی وہ ہو نہیں پایا ہے۔ ایس اینڈ پی گلوبل ریٹنگز کے لوئی کوجز کے مطابق یہ کمی چینی قیادت کے لیے پریشان کن ہے۔ چینی معیشت کی رفتار بعض شعبوں میں سُست ہے۔ دنیا بھر میں معیشت کے ایک نئے عہد نے جنم لیا ہے۔ نئی ٹیکنالوجی تیزی سے ابھر رہی ہیں اور اس کے نتیجے میں نئے شعبے بھی معرضِ وجود میں آرہے ہیں۔ ایک بار پھر عزم اور جاندار نعرے کی ضرورت ہے۔

ٹیکنالوجی کے شعبے میں پیش رفت اب دو حصوں میں تقسیم ہوچکی ہے۔ چین بعض ایسی ٹیکنالوجی کی نقالی کر رہا ہے جنہیں دنیا اب ترک کرتی جارہی ہے اور دوسری طرف چین ایسی ٹیکنالوجی ایجاد کرنا چاہتا ہے جن کے بارے میں ابھی کسی نے سوچا بھی نہیں۔ جنوری میں سائنس اور ٹیکنالوجی وزارت نے ۶ دیگر وزارتوں کے ساتھ مستقبل کی ٹیکنالوجی کا خاکہ پیش کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مستقبل کے لیے صنعتوں کا ڈھانچا تشکیل دیا جائے تاکہ کسی بحرانی کیفیت میں بھی خلا پیدا نہ ہو۔ ان میں فوٹونک کمپیوٹنگ، برین کمپیوٹنگ انٹرفیس، نیوکلیئر فیوژن اور ڈیجیٹل سیمولیشن برائے مریض وطبیب شامل ہیں۔ تجربہ گاہوں اور ریسرچ انسٹیٹیوٹس کی ۳۵ سال تک محققین پر زیادہ فنڈز لگانے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ چینی حکومت کو کسی حقیقی، بڑی کامیابی کے لیے اُن کی صلاحیتوں پر زیادہ بھروسا ہے۔

اب بھی واضح راستہ نہیں اپنایا جارہا۔ ایک طرف تو چین یہ چاہتا ہے کہ بیرونی ذرائع پر انحصار کرنے کے بجائے ملک کے اندر تیار کی جانے والی ٹیکنالوجی پر منحصر رہتے ہوئے آگے بڑھا جائے اور دوسری طرف ایسی حکمتِ عملی اپنائی جارہی ہے جس کے نتیجے میں ٹیکنالوجی میں خودانحصاری کی پالیسی کمزور پڑے گی۔

ایک بڑی پیش رفت یہ ہے کہ اگر امریکا اہم ٹیکنالوجیز کی منتقلی پر پابندی لگادے اور چین کے لیے مشکلات کھڑی کردے تو چین بھی بعض ایسے معاملات میں اپنی بات منواسکتا ہے۔ امریکا اور یورپ کے لیے بعض مصنوعات کی فراہمی روک کر اُنہیں تجارتی جنگ کے معرکوں میں ہرایا جاسکتا ہے۔ چین نے ہائی ٹیک میں دنیا کی قیادت کرنے میں تو کامیابی حاصل نہیں کی ہے تاہم بہت سے معاملات میں وہ اپنی بات منواکر امریکا اور یورپ دونوں کے لیے مشکلات کھڑی کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتا ہے۔ چین نے روایتی یا عام گاڑیوں کے شعبے میں تو بڑے اداروں کو شکست دینے میں کامیابی حاصل نہیں کی، تاہم برقی گاڑیوں کے شعبے میں وہ ٹیسلا اور دیگر مغربی برانڈز کو ناکوں چنے چبوا چکا ہے۔ اس وقت چین سے زیادہ سستی اور معیاری برقی گاڑیاں دنیا بھر میں کہیں بھی تیار نہیں کی جارہیں۔ بیجنگ میں یونیورسٹی آف انٹرنیشنل بزنس اینڈ اکنامکس کے جی ماؤ کے مطابق ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۲ء تک سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق چینی پالیسیوں سے بعض ابھرتی ہوئی صنعتوں کو تیزی سے پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ چینی لیڈر ماؤزے تنگ نے چھاپہ مار جنگ میں شہروں کو کنٹرول کرنے سے پہلے دیہی علاقوں میں اچھی طرح قدم جمائے تھے۔ بالکل اِسی طور ٹیکنالوجی کے شعبے میں بھی چین خاصی کم رفتار سے قدم جمارہا ہے اور اُس کے حریف دھیرے دھیرے اپنی برتری سے محروم ہوتے جارہے ہیں۔

تیسرا بڑا مقصد موجودہ صنعتوں کو زیادہ مضبوط بنانا ہے۔ زرعی شعبے میں بھی چین انقلابی نوعیت کی پیش رفت یقینی بنانا چاہتا ہے۔ پیکنگ یونیورسٹی کے وانگ یونگ کہتے ہیں کہ آٹومیٹیڈ پلانٹنگ اور ڈیٹا کو بروئے کار لاتے ہوئے بریڈنگ کے شعبے کو پروان چڑھانے پر غیرمعمولی توجہ دی جارہی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ کسی شعبے میں پیش رفت کا سوچیے اور نتائج حاصل ہوجائیں۔ آج کی دنیا میں تحقیق و ترقی کے نام پر بہت کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اب کسی بھی تعلیمی ادارے میں انسان کے اخلاق سُدھارنے کی بات نہیں کی جاتی۔ سارا زور مال بنانے پر ہے۔ جو چیز جتنا زیادہ کمانا سکھا سکتی ہے وہ مقبول ہے اور کارگر سمجھی جاتی ہے۔ چین کو ہائی ٹیک میں آگے بڑھنے کے لیے بہت خرچ کرنا ہے اور محنت بھی بہت کرنی ہے۔ پالیسی واضح اور حکمتِ عملی جامع ہونی چاہیے۔ آج کی دنیا میں سبھی کچھ بہت تیزی سے تبدیل ہوجاتا ہے۔ ایسے میں پالیسیوں کا توازن بہت اہم ہے۔ اہداف سوچ سمجھ کر متعین کیے جانے چاہئیں۔ صوبائی اور مقامی حکومتوں پر اس حوالے سے زیادہ دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا۔ چند برسوں کے دوران چین میں دیہی شعبے سے حاصل ہونے والی آمدنی میں کمی واقع ہوتی گئی ہے۔ اب یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔

کارنیگی اینڈومنٹ فار انٹرنیشنل پیس کے میٹ شیہان کہتے ہیں کہ جب معیشت خوب پھل پھول رہی ہوتی ہے تب مقامی اداروں کو بھی ثمرات مل رہے ہوتے ہیں تب وہ خوب سرمایہ کاری کرتے ہیں اور پانچ سے دس سال تک کسی منافع کے بارے میں زیادہ نہیں سوچتے۔ مقامی حکومتیں اور مقامی ادارے ابھرتی ہوئی صنعتوں میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ۲۰۱۰ء کے بعد سے اب تک برقی گڑیوں اور سولر پینلز میں زیادہ سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ دیگر ابھرتی ہوئی ٹیکنالوجیز کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا۔ اب معاملہ یہ ہے کہ طویل المیعاد منصوبہ سازی زیادہ مقبول نہیں۔ اب حکومتیں تین سے پانچ سال کے دوران رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہیں۔ دنیا اِتنی تیزی سے بدل رہی ہے کہ واضح اہداف کے ساتھ پندرہ یا بیس سال کی منصوبہ سازی نہیں کی جاسکتی۔ بہت کچھ بہت تیزی سے بدل جاتا ہے اور بڑے بڑے کاروباری ادارے اچانک اپنے آپ کو دلدل میں دھنسا ہوا پاتے ہیں۔

چین بیشتر شعبوں میں اپنے آپ کو عالمی لیڈر کے طور پر دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ چینی قیادت نے پوری قوم کو اس بات کا یقین سا دلا دیا ہے کہ بہت جلد دنیا چین کے قدموں میں پڑی ہوگی۔ چین نے جس تیزی سے اپنے آپ کو منوایا ہے اُسے دیکھتے ہوئے بہت سے معاملات میں اُس کے لیے

>>> باقی صفحہ نمبر ۱۰ <<<

چین اور یورپ کی تجارتی سرد جنگ

ابو صباحت

مینوفیکچرنگ سیکٹر میں یورپ کی گھٹتی ہوئی استعداد نے معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیا ہے کہ معیشتیں ڈگمگا رہی ہیں۔ یورپ کے طول وعرض میں معیشتی بحالی کا عمل سُست پڑ چکا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں تاہم سب سے بڑی وجہ ہے چین۔

چین کا مینوفیکچرنگ سیکٹر غیر معمولی تیزی کے ساتھ فعال ہے۔ کورونا کے دوران اِس رفتار میں واقع ہونے والی کمی اس بات کی متقاضی تھی کہ حکومت کسی طور اِسے پوری طرح بحال کرے تاکہ عالمی منڈی میں عمدگی سے مقابلہ کرنا ممکن ہوسکے۔

چینی قیادت نے مینوفیکچرنگ سیکٹر کے لیے بہت سے مراعات کا اہتمام کیا ہے تاکہ برآمدات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جاسکے۔ چین کے لیے برآمدات بڑھانا اُسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب وہ لاگت میں معتد بہ کمی یقینی بنانے میں کامیاب ہو۔ حکومت نے اس کا یہ راستہ نکالا ہے کہ ایک طرف تو مختلف حوالوں سے مراعات دی جارہی ہیں اور بنیادی ڈھانچا بھی اچھی حالت میں رکھنے پر توجہ دی جارہی ہے اور دوسری طرف سبسڈی بھی دی جارہی ہے۔ سبسڈی یعنی حکومت کی طرف سے زرِاعانت تاکہ چینی صنعتی ادارے اچھی طرح کام کرتے ہوئے لاگت میں کمی لانے میں کامیاب ہوں۔

یورپی یونین کا کہنا ہے کہ چین کی قیادت کھیل کے اصولوں سے کھلواڑ کررہی ہے۔ یورپی حکومتیں چاہتی ہیں کہ چینی قیادت کسی بھی صنعتی ادارے کو سبسڈی دے کر عالمی منڈی میں ''غیر اخلاقی'' طور پر سبقت لے جانے کا موقع فراہم نہ کرے۔ اُن کا مطالبہ ہے کہ صنعتی اداروں کو سبسڈی نہ دی جائے۔ یہ سبسڈی دینے ہی کا نتیجہ ہے کہ چینی صنعتی ادارے بہت بڑے پیمانے پر مصنوعات تیار کرکے یورپی منڈیوں میں طلب کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں۔ طلب و رسد کا توازن بگڑ چکا ہے کیونکہ رسد کہیں زیادہ ہے۔

یورپ کے بیشتر صنعتی اداروں کو اس وقت بڑھتی ہوئی لاگت کے ہاتھوں پریشانی کا سامنا ہے۔ یوکرین جنگ کے باعث توانائی کا بحران شدت اختیار کرچکا ہے۔ یورپ میں سیاسی بنیاد پر تقسیم بھی بڑھ رہی ہے۔ انتہائی دائیں بازو کے عناصر تیزی سے مقبولیت حاصل کررہے ہیں۔ ''پروٹیکشن اِزم'' بھی خطرناک رفتار سے آگے آرہا ہے۔ یورپ کی متعدد بڑی معیشتیں آزاد تجارت سے جان چھڑا کر بلند درآمدی ڈیوٹی عائد کرکے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کررہی ہیں۔ یورپ نے اب تک اس راہ پر زیادہ سفر نہیں کیا تھا۔ امریکا تو پروٹیکشن اِزم پر یقین رکھتا تھا تاہم یورپی معیشتیں اس طرف کم ہی آتی تھیں۔ وہ آزاد تجارت کے حق میں تھیں مگر شاید اس کا سبب یہ تھا کہ معاملات اُن کے حق میں تھے اور وہ زیادہ سے زیادہ فوائد بٹورنے میں کامیاب تھیں۔

اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔ چین کی معاشی قوت غیر معمولی ہے۔ ایک طرف وہ عمومی اشیا کی تیاری میں بھی آگے ہے اور دوسری طرف اُس نے ہائی ٹیک مصنوعات کے شعبے میں بھی حیران کن رفتار سے ترقی کی ہے۔ الیکٹرک کاروں ہی کا معاملہ لیجیے۔ چینی ادارے اب دنیا بھر میں الیکٹرک کاروں کی مارکیٹ کو ڈکار جانے کی بھرپور تیاری کرچکے ہیں۔ پہلے قدم کے طور پر اُنہوں نے یورپی برانڈز کے مقابلے میں کم از کم ۲۰ فیصد کم قیمت رکھی ہے۔ یورپ میں چینی کاروں کی مقبولیت بڑھتی جارہی ہے کیونکہ عام آدمی بھی یہ کاریں آسانی سے خرید سکتا ہے۔

اب معاملہ یہ ہے کہ یورپ میں عام آدمی چاہتا ہے کہ چین اور ابھرتی ہوئی معیشتوں سے مال زیادہ سے زیادہ منگوایا جائے کیونکہ وہ سستا پڑ رہا ہے مگر حکومتیں گریزپا ہیں۔ بات یہ ہے کہ صنعتی ادارے چینی مال کی آمد رکوانا چاہتے ہیں۔ بین الاقوامی تجارتی قوانین کے تحت تو ایسا کرنا ممکن نہیں۔ آزاد تجارت کا مطلب ہی یہ ہے کہ کوئی بھی ملک اگر مال سستا تیار کررہا ہے تو عالمی منڈی میں اپنا مال لائے اور سستا بیچے۔

اگر کوئی ملک اپنے ہاں لاگت کا گراف نیچے لانے میں کامیاب نہیں ہو پارہا تو یہ اُس کا دردِ سر ہے۔ چین بھی اپنے حساب کتاب سے لاگت نیچے لانے میں کامیاب ہے تو اِس میں کسی کو جُز بُز ہونے کی ضرورت نہیں۔ امریکا اور یورپ ہی تو مل کر کُھلے بازار کی معیشت کی بات کرتے آئے ہیں۔ کُھلے بازار کی معیشت میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب مقابلہ کُھلا ہوتا ہے تو مارکیٹ فورسز کو کردار ادا کرنے کی زحمت دی جاتی ہے۔ بند معیشتیں وہ ہوتی ہیں جن کی حکومتیں بازار پر اثرانداز ہونے کی کوشش کرتی ہیں۔ آزاد دنیا نے ہمیشہ آمریت اور اشراکیت پر اس حوالے سے الزام تراشی کی ہے۔ اب اگر چین کُھلے بازار کی معیشت کے تمام بنیادی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے عالمی معیشت میں اپنا کردار مضبوط بنا رہا ہے تو امریکا اور یورپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اٹھ رہے ہیں۔

امریکا اور یورپ کے بڑے کاروباری اداروں کو یہ خدشہ لاحق ہے کہ عالمی منڈی کا بڑا حصہ اُن کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ چینی ادارے ایک طرف تو پیداوار کے معاملے میں بہت آگے ہیں۔ خود چینی معیشت بھی اِتنی بڑی ہے کہ بہت بڑے پیمانے پر مال تیار کرنے کی صورت میں اچھی خاصی کھپت تو گھر کے اندر ہی ہو جاتی ہے۔ بڑے پیمانے کی پیداوار لاگت کا گراف نیچے لے آتی ہے۔ چین کو اس کا بھرپور ایڈوانٹیج حاصل ہے۔ اس معاملے میں بھارت بھی اُس کے مقابل آنے کی پوزیشن میں نہیں۔ بھارت میں آج بھی صنعتی شعبے میں وہ تیزی اور بہتری پیدا نہیں ہوسکی ہے جو چین کا خاصہ ہے۔ چین میں معیشت بہت منظّم ہے۔ وہاں افلاس کی سطح نیچے لانے میں مثالی حد تک کامیابی مل چکی ہے۔ بھارت میں آج بھی تقریباً ایک ارب افراد انتہائی افلاس کے عالم میں جی رہے ہیں۔

چینی قیادت نے ترقی کے ثمرات غریب عوام تک پہنچانے پر خاص توجہ دی ہے۔ بھارت میں اس حوالے سے کم کام ہوا ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے سابق گورنر نے حال ہی میں اس حوالے سے مودی سرکار پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بھارت نے ترقی تو بہت کی ہے، بیرونِ ملک مقیم بھارتی بھی معیشت کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں تاہم مسئلہ یہ ہے کہ عام آدمی کو اس بھرپور ترقی سے کچھ خاص مل نہیں پارہا۔ چین میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں ترقی کے ثمرات عوام تک منتقل ہوئے ہیں۔

امریکا اور یورپ کو یہ بات بھی کھلتی ہے کہ چین میں عام آدمی کا معیارِ زندگی بلند ہوا ہے، وہ زیادہ اعتماد کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے اور اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ مغربی میڈیا چینی معاشرے میں تقسیم پیدا کرنے کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ کبھی انسانی حقوق کی پامالی کا رونا رویا جاتا ہے اور کبھی اقلیتوں سے ناروا سلوک کا راگ الاپا جاتا ہے۔ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طور چینی معاشرے میں تفریق پیدا ہو اور بھرپور ترقی کا عمل رک جائے۔

یورپ اس وقت شدید دباؤ کا شکار ہے۔ ایک طرف روس اُس کی ناک میں دم کر رہا ہے۔ یوکرین کی جنگ طول پکڑتی جارہی ہے اور اگر روس کسی نہ کسی طور یوکرین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہوگیا تو پورے یورپ کی نیند حرام ہوجائے گی۔ امریکا نے اب تک جو رویہ اختیار کیا ہے

>>> باقی صفحہ نمبر ۱۵ <<<

بنگلادیش: ترقی کا سُندر سپنا ٹوٹ گیا؟

ایک زمانے سے بنگلا دیش کو بھی اُنہی معاشی مسائل کا سامنا ہے جن سے ہماری معیشت دوچار ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بعض معاملات میں بنگلا دیشی معیشت پاکستانی معیشت کے مقابلے میں زیادہ الجھنوں کا سامنا کر رہی ہے۔ ہمارے ہاں یہ تاثر عام ہے کہ بنگلا دیش میں چونکہ کرنسی کی قدر بڑھ گئی ہے یعنی بنگلا دیشی ٹکا ہمارے روپے سے زیادہ قیمت کا حامل ہو چکا ہے اس لیے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بنگلا دیش نے زیادہ ترقی کر لی ہے اور وہ معاشی اعتبار سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔

ایسا نہیں ہے۔ بنگلا دیش بھی ترقی اور خوشحالی کے معاملے میں وہیں کھڑا ہے جہاں پاکستان اور بھارت کھڑے ہیں۔ بھارت نے کئی شعبوں میں مثالی نوعیت کی پیش رفت یقینی بنائی ہے۔ بیرونِ ملک کام کرنے والے بھارتی باشندوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ اِس وقت بھارت سے آبائی تعلق کے حامل کم و بیش ایک کروڑ افراد دنیا بھر میں مختلف شعبوں سے وابستہ ہیں۔ یہ سب جو کچھ بھی کماتے ہیں اُس کا خاصا بڑا حصہ وطن بھیجتے ہیں۔ اِن ترسیلاتِ زر سے بھارتی معیشت کو مستحکم تر کرنے میں مدد ملتی ہے۔

معیشت کو مستحکم کرنے کی یہ پالیسی نئی نہیں۔ جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقِ بعید کی بہت سی معیشتیں ترسیلاتِ زر ہی کی بنیاد پر زندہ ہیں اور پنپ رہی ہیں۔ سری لنکا، تھائی لینڈ، میانمار (برما)، ویتنام، کمبوڈیا، ملائیشیا، انڈونیشیا اور فلپائن کے لاکھوں باشندے خلیجی ممالک، افریقا، امریکا اور یورپ میں کام کر رہے ہیں۔ اِن کی طرف سے آنے والی ترسیلاتِ زر اِن کی معیشتوں کو مضبوط رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

بنگلا دیش کی حکومت بھی قومی خزانے کو مستحکم کرنے کے لیے ترسیلاتِ زر کا سہارا لیتی ہے۔ ترسیلاتِ زر سے معیشت مستحکم ضرور ہوتی ہے مگر اِسے کسی بھی اعتبار سے ترقی قرار نہیں دیا جاسکتا اور حکومت اس کا کریڈٹ بھی نہیں لے سکتی۔ لوگ اپنے طور پر کوششیں کر کے بیرونِ ملک جاتے ہیں اور وہاں دن رات محنت کر کے جو کچھ بھیجتے ہیں، اُس کے لیے حکومت کو کریڈٹ کیوں لینا چاہیے؟ یہ سب کچھ حکومتی کوششوں کا نتیجہ تو نہیں ہوتا۔ ہاں، اگر حکومت افرادی قوت کی موثر انداز سے برآمد یقینی بنانے کے سلسلے میں کچھ کرے اور اُس کے اچھے نتائج برآمد ہوں تو کہا جاسکتا ہے کہ حکومت نے قومی معیشت کو مستحکم کرنے، پروان چڑھانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے۔

بنگلا دیش کے بارے میں ایک زمانے سے یہ کہا جارہا ہے کہ عوام کے حالات بہتر بنانے کے حوالے سے بہت کچھ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں گرامین (دیہی) بینک کا نام لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد یونس اس بینک کے ذریعے غریبوں کے حالات بہتر بنانے کی تحریک کے روحِ رواں رہے ہیں۔ گرامین بینک نے عام آدمی کو بہت چھوٹے پیمانے کا ذاتی کاروبار شروع کرنے کے قابل بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے مگر یہ کام جس نوعیت کا ہے اُس سے غریب کے حالات انقلابی حد تک تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔ اس سلسلے میں حکومت کو بہت کچھ کرنا ہے۔

بنگلا دیش کے معروف ماہرِ معاشیات اور سینٹر فار پالیسی ڈائیلاگ کے فیلو پروفیسر مستفیض الرحمٰن کہتے ہیں کہ بنگلا دیش اس بات کی بہت واضح مثال ہے کہ کس طرح کوئی مضبوط معیشت کمزور پڑنے کے بعد صرف اِس قابل رہ جاتی ہے کہ اُسے درسی کتب میں مثال کے طور پر پیش کیا جائے۔

ڈھاکا میں اکنامک رپورٹرز فورم کے تحت پری بجٹ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر مستفیض الرحمٰن نے کہا کہ بنگلا دیش کی معیشت ابھی اٹھارہ ماہ پہلے تک بہت اچھی حالت میں تھی مگر اب یہ غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے۔ اِس کے بارے میں پورے یقین سے کوئی بھی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ پروفیسر مستفیض الرحمٰن نے بتایا کہ قومی معیشت کے فروغ کے حوالے سے بہت کچھ کہا جاتا ہے مگر یہ نہیں بتایا جاتا ہے کہ ملک پر قرضوں کا بوجھ کس قدر ہے اور اصل کو چھوڑیے، سُود ادا کرنے پر قومی آمدنی کا کتنا حصہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت بنگلا دیش پر اربوں ڈالر کے بیرونی قرضے ہیں اور اِس کے نتیجے میں ہر سال مجموعی قومی آمدنی کا ۳۴ فیصد تو صرف بیرونی قرضوں کا سُود ادا کرنے ہی پر خرچ ہو جاتا ہے۔

اِس ایک حقیقت سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت بنگلا دیش کی معیشت کہاں کھڑی ہے جبکہ شیخ حسینہ واجد کی حکومت بلند بانگ دعوے کرتے نہیں تھکتی۔ معیشت کو بھارت کی گرفت سے نکالنے کے لیے اس وقت پورے بنگلا دیش میں بھارتی مال کے بائیکاٹ کی تحریک زوروں پر ہے۔

بنگلا دیش کی وزیرِ مملکت برائے خزانہ واثقہ عائشہ اکنامک رپورٹرز فورم کے سیمینار کی مہمانِ خصوصی تھیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں بتایا کہ حکومت بجٹ خسارے پر قابو پانے کے حوالے سے غیر معمولی اقدامات اور ٹیکس کے حوالے سے ریلیف دینے کی تیاری کر رہی ہے۔ نیشنل بورڈ آف ریونیو اس سلسلے میں معیشت کے مختلف شعبوں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے۔

حکومتی اقدامات سے کسی بھی طور یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ معیشت کو بہتر بنانے کا عمل کامیاب ہو سکے گا۔ حکومت نے ٹیکس کے حوالے سے ریلیف کی بات تو کی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ بجٹ خسارے پر کس طور قابو پایا جاسکے گا جبکہ اخراجات کم کرنے کا بھی عندیہ نہیں دیا جارہا۔ پروفیسر مستفیض کہتے ہیں ''جب بھی کسی معیشت میں خرابی پیدا ہوتی ہے، ابتدا میں معمولی الجھنیں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر خون بہنے لگتا ہے۔ اِس کے بعد، توجہ نہ دیے جانے پر، یہ ناسُور بنتا ہے اور آخری مرحلے میں جراحت کے ذریعے اِسے نکالنا پڑتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ کسی بھی معاشی مسئلے کو اُس کے ابتدائی مرحلے ہی میں حل کر لیا جائے۔''

بنگلا دیش میں توانائی کا بحران بھی موجود ہے۔ حکومت کے لیے یہ بحران دردِ سر بنتا جارہا ہے کیونکہ بجلی کی بڑھتی ہوئی قیمت سے صنعتی پیداوار کی لاگت بھی بڑھتی جارہی ہے۔

ایک اور بڑا مسئلہ ٹیکس چوری کا بھی ہے۔ پروفیسر مستفیض کہتے ہیں ''بزنس مین سال میں دس دس بار بزنس کلاس میں بیرونی سفر کرتے ہیں، لگژری گاڑیوں میں گھومتے ہیں مگر جب ٹیکس وصولی کے لیے اُن کی آمدنی کا ریکارڈ چیک کیا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ اِتنی بُری حالت میں ہیں کہ شاید اُنہیں زکوٰۃ کی بھی ضرورت پڑتی ہو! بہت سے تو بینکوں کے نادہندہ بھی نکلتے ہیں۔'' انہوں نے خبردار کیا کہ اکیسویں صدی کے چیلنجوں کا سامنا بیسویں صدی کے پروردہ اداروں کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے میں لازم ہے کہ اداروں اور اُن پر نظر رکھنے والے اداروں میں اصلاحات نافذ کی جائیں اور اُنہیں آزادانہ حیثیت میں کام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

بنگلا دیش کو بھارت نے کبھی اپنے دائرے سے نکلنے ہی نہیں دیا۔ آج بھی بنگلا دیشی معیشت کے بیشتر شعبے بھارت کے زیرِ اثر ہیں۔ وزیرِ اعظم شیخ حسینہ واجد چونکہ بھارت نواز ہیں اس لیے بھارت کی طرف سے چند معاملات میں معمولی سا ریلیف ملتا ہے اور اِس سے یہ تاثر پروان چڑھایا جاتا ہے کہ بنگلا دیش تو بہت مضبوط ہے۔ کرنسی مضبوط ہونے کا عوام کی خوشحالی سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ سوال یہ ہے کہ عوام کی جیب تک کیا پہنچ رہا ہے۔ نام نہاد ترقی اور معیشتی استحکام نے عام بنگلا دیشی کو کچھ خاص نہیں دیا۔ یہی سبب ہے کہ اب ملک بھر میں بھارتی مال کے بائیکاٹ کی تحریک تیزی سے زور پکڑ رہی ہے اور اس پر شیخ حسینہ واجد کی حکومت بھی پریشان و نالاں ہے۔

(ترجمہ: ابوصباحت)

"Bangladesh's example of how fast a good economy becomes weak to be taught in textbooks". ("unb.com.bd". April 7, 2024)

لوک سبھا انتخابات اور 'دی ڈکٹیٹر' کی دوڑ

اپوروانند

بھارتی وزیراعظم نریندر مودی کی حکومت انتخابات کے آغاز کے اعلان سے پہلے سرکاری اخراجات پر بڑے پیمانے پر انتخابی مہم چلا چکی ہے۔ اس طرح وہ اس ریس میں پہلے ہی دوڑنا شروع کر چکی تھی جبکہ اپوزیشن جماعتیں اس کے آغاز کے اعلان کا انتظار کر رہی تھیں۔

کامیڈی فلم 'دی ڈکٹیٹر' (۲۰۱۲ء) کا ایک مشہور زمانہ سین ہے۔ ڈکٹیٹر ۱۰۰ میٹر ریس میں حصہ لے رہا ہے۔ ریس کی شروعات کا اعلان کرنے والی پستول اسی کے پاس ہے۔ وہ خود دوڑنا شروع کر دینے کے بعد اسے فائر کرتا ہے۔ پھر وہ ایک ایک کر کے دوسرے رنرز کو گولی مارتا ہوا بھاگتا ہے۔ وہ گرتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ اکیلا دوڑنے والا رہ جاتا ہے۔ ریس کے آخری مقام پر فیتہ لے کر کھڑے لوگ فیتہ لے کر آگے آجاتے ہیں۔ وہ اس فیتے کو عبور کر لیتا ہے اور ریس جیت جاتا ہے۔ اس طرح ڈکٹیٹر اپنے ہی اولمپکس میں ۱۴ ر تمغے جیت لیتا ہے۔

ہندوستان میں ۱۸ ویں لوک سبھا کے انتخابات کے اعلان کے بعد 'دی ڈکٹیٹر' کا یہ سین سوشل میڈیا پر کافی مقبول ہو گیا ہے۔ لوگ لکھ رہے ہیں کہ ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔ اور ایسا کہنے کی وجہ ہے۔ ہندوستان کو رسمی طور پر تاناشاہی نہیں کہا جائے گا۔ لیکن انتخابات سے پہلے جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی حد تک اس دوڑ سے مماثل ہے۔ وزیراعظم نریندر مودی کی حکومت انتخابی دوڑ شروع ہونے کے اعلان سے پہلے سرکاری اخراجات پر بڑے پیمانے پر اپنی مہم چلا چکی تھی۔

انتخابات کے اعلان سے عین قبل حکومت نے انتخابات کی نگرانی کرنے والے الیکشن کمیشن کے ارکان کے انتخاب کے اصول کو تبدیل کر دیا۔ سلیکشن کمیٹی میں پہلے وزیراعظم اور اپوزیشن لیڈر کے ساتھ چیف جسٹس آف انڈیا بھی شامل تھے۔ حکومت نے اصول میں تبدیلی کرتے ہوئے چیف جسٹس کو کمیٹی سے ہٹا کر ان کی جگہ سرکار کے ہی ایک وزیر کو رکھ لیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب الیکشن کمیشن کے انتخاب میں حکومت کی رائے ہی سب سے اہم ہوگی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کھیل میں شریک کئی ٹیموں میں سے صرف ایک ٹیم کا کپتان ہی امپائر مقرر کرے۔ اس کی غیر جانبداری کے بارے میں کہنے کو پھر کیا رہ جاتا ہے!

انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی دہلی کے وزیراعلیٰ اور اپوزیشن پارٹی عام آدمی پارٹی کے سب سے بڑے لیڈر اروند کیجریوال کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے ایک ماہ قبل جھارکھنڈ کے وزیراعلیٰ ہیمنت سورین کو گرفتار کیا گیا تھا۔ تلنگانہ کے بھارت راشٹر سمیتی لیڈر کے کویتا کو پہلے ہی جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔

عام آدمی پارٹی کے تین اور رہنما، دہلی کے سابق نائب وزیراعلیٰ منیش سسودیا، سابق وزیر صحت ستیندر جین اور راجیہ سبھا کے رکن سنجے سنگھ پہلے ہی جیل میں تھے۔ سنجے سنگھ کو حال ہی میں سپریم کورٹ نے دہلی ہائی کورٹ کے فیصلے کو پلٹتے ہوئے ضمانت دی ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جس جج نے سنجے سنگھ کی ضمانت کی درخواست مسترد کی تھی، اُسی جج نے اروند کیجریوال کی گرفتاری کو درست قرار دیا ہے۔ اروند کیجریوال کی گرفتاری کا جواز پیش کرنے کے لیے انہوں نے وہی دلائل دہرائے ہیں جنہیں سپریم کورٹ نے مسترد کرتے ہوئے سنجے سنگھ کو ضمانت دی ہے۔

ہائی کورٹ نے اروند کیجریوال کے وزیراعلیٰ اور ایک اہم سیاستدان ہونے کی وجہ سے انہیں رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن انہی جج نے ابھی ایک اور سیاستدان دلیپ رے کی سزا کو یہ کہتے ہوئے ملتوی کر دیا کہ وہ ایک اہم سیاستدان ہیں اور انہیں الیکشن لڑنا ہے۔ خیال رہے کہ دلیپ رے کو سزا ہو چکی ہے اور اروند کیجریوال کے معاملے کی تفتیش ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہے۔ لوگوں کی قیاس آرائیاں ہیں کہ دلیپ رے بی جے پی سے الیکشن لڑیں گے یا ان کی حمایت کریں گے۔ جج کے اس کھلے تعصب کو سب نے نوٹ کیا۔ ان گرفتاریوں سے اپوزیشن کی انتخابی مہم پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ ان کے علاوہ مختلف سرکاری ایجنسیاں اپوزیشن جماعتوں کے دیگر رہنماؤں کو مختلف معاملات میں نوٹس بھیج رہی ہیں۔ بہار کے سابق وزیراعلیٰ اور اپوزیشن لیڈر لالو یادو کو تقریباً ۲۵ سال پرانے معاملے میں مدھیہ پردیش سے گرفتاری کا وارنٹ بھیجا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت کی یہ جانچ ایجنسیاں اپوزیشن لیڈروں کو کسی نہ کسی طرح الجھائے رکھنا چاہتی ہیں تاکہ وہ پوری توجہ اور توانائی انتخابی مہم پر صرف نہ کر سکیں۔

اروند کیجریوال کی گرفتاری کے ساتھ ہی ملک کی سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی کانگریس پارٹی کو محکمہ انکم ٹیکس نے تقریباً ۱۸۰۰ کروڑ روپے کے واجبات ادا کرنے کا نوٹس بھیجا ہے۔ اس سے پہلے انہیں بتائے بغیر حکومت نے ان کے کھاتوں سے ۱۳۵ کروڑ روپے نکال لیے۔ یہی نہیں ان کے تمام بینک اکاؤنٹس بھی فریز کر دیے گئے ہیں۔ کانگریس پارٹی یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ حکومت نے یہ ٹھیک اس وقت اس لیے کیا ہے کہ وہ پیسے کی کمی کی وجہ سے انتخابی مہم چلا ہی نہ سکے۔

ان سب کے ساتھ ہر روز کسی نہ کسی اپوزیشن پارٹی کے لیڈر کے بی جے پی میں شامل ہونے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ یہ ایک کھلا راز ہے کہ یہ سبھی سرکاری تفتیشی ایجنسیوں کے خوف سے اپنی پارٹی چھوڑ کر بی جے پی میں شامل ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر حال ہی میں عام آدمی پارٹی کے ایک لیڈر نے پارٹی چھوڑ دی ہے۔ ای ڈی نے حال ہی میں ان کے یہاں چھاپے ماری کی تھی۔ مہاراشٹر کے سابق وزیراعلیٰ اور کانگریس لیڈر اشوک چوہان اور سابق نائب وزیراعلیٰ اور نیشنلسٹ کانگریس پارٹی کے لیڈر اجیت پوار کو خود وزیراعظم نے جیل بھیجنے کی دھمکی دی تھی۔ آج دونوں بی جے پی میں ہیں۔

انڈین ایکسپریس نے بی جے پی میں شامل ہونے والے اپوزیشن پارٹی کے ۲۵ ایسے رہنماؤں کے ریکارڈ کا جائزہ لینے کے بعد بتایا ہے کہ بی جے پی میں شامل ہونے کے بعد ان میں سے ۲۳ کے خلاف مقدمات بند کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح اپوزیشن جماعتوں کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے۔ اس سے عوام میں یہ وہم بھی پیدا ہوتا ہے کہ اپوزیشن جماعتیں شکست کے خوف سے گھبراہٹ کا شکار ہیں اور وہ کچھ سنبھال نہیں پا رہی ہیں۔

اگر اس وقت بڑے میڈیا کے کردار پر نظر ڈالی جائے تو وہ کھلے عام بی جے پی اور نریندر مودی کی تشہیر کرتا نظر آتا ہے۔ انتخابات کے اعلان کے بعد میڈیا پلیٹ فارم ایسے پروگرام ترتیب دے رہے ہیں جن میں وزیراعظم اور حکومت کے دیگر وزراء کو انتخابی مہم چلانے کا پورا موقع ملے۔ میڈیا عوام میں یہ خیال بھی پھیلا رہا ہے کہ اپوزیشن کمزور ہے، وزیراعظم مقبول بنے ہوئے ہیں اور ان کا کوئی متبادل نہیں ہے۔ اس بڑے میڈیا کے متوازی جو میڈیا ہے، اُس کو کسی نہ کسی بہانے حکومت بند کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بہت سے مقبول اور حکومت کی تنقید کرنے والے یوٹیوب چینلوں کو نوٹس دیے جا رہے ہیں یا بند کیا جا رہا ہے۔ اس طرح عوام کے پاس حکومت کے علاوہ کسی پارٹی کی رائے جاننے کا کوئی طریقہ نہیں رہ جائے گا۔

انتخابی مہم کے پہلے ہی دن سے وزیراعظم سمیت بی جے پی کے پرچارکوں نے ووٹروں کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کرنا

باقی صفحہ نمبر ۱۰

اسلام کا فلسفۂ نصرت و آزمائش

گزشتہ سے پیوستہ

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ٥ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ٥ (الانفال: ۴۵-۴۷)

(اے ایمان والو! میدانِ جنگ میں تمہارا کفار کے ٹولے سے مقابلہ ہو تو صبر کرو، ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے مدد کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کرے۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کر کے اس سے مدد حاصل کیا کرو۔ ذکرِ الٰہی بہترین زادِ راہ، طاقت ورہتھیار اور جہاد کی بہترین تیاری ہے۔ ذکرِ الٰہی سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں، مصیبتیں دور ہوتی ہیں، برکتیں حاصل ہوتی ہیں، صبر و شکر کے ذریعہ عظیم کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس جگہ پر اللہ نے اپنے ذکر کا خاص طور پر تذکرہ کیا، اس لیے کہ انسان مشکلات کے وقت اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے اور مؤمنین کے لیے سب سے محبوب ذات اللہ کی ہے، سب سے افضل عمل اللہ کا ذکر ہے اور سب سے مشکل کام جہاد ہے، اس مشکل کام کے لیے مناسب نسخہ اللہ نے اپنا ذکر تجویز کیا، تاکہ اس کی جلالت و عظمت اور ذکر کے عظیم فوائد کے سبب جہاد جیسے مشکل عمل میں سہولت ہو۔ اگر ذکر کے لیے کوئی اور فضیلت نہ بیان کی جاتی تو بس یہی کافی تھا کہ ذکر کرنے والے دنیا و آخرت کی خیر حاصل کرنے میں سبقت کرنے والے اور کامیاب ہونے والے ہوں گے۔ اور جب مڈبھیڑ ہو تو تم پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم ہے۔ اس کے احکام کی اتباع اور اس کے نواہی سے اجتناب کرو۔ آپس میں اختلاف و جھگڑا نہ کرو، ورنہ تمہاری طاقت کمزور ہو جائے گی، تمہاری ہیبت جاتی رہے گی اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، کامیابی تم سے روٹھ جائے گی اور نصرت سے محروم ہو جاؤ گے۔ سختیوں پر جمے رہو اور مصائب کے مقابلہ پر ڈٹے رہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تائید کرتا ہے اور اپنی نصرت سے ان کا اکرام فرماتا ہے۔ یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اجتماعیت اور اطاعت میں قوت کا راز پوشیدہ ہے، اسی کے ذریعہ نصرت و کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اختلاف اور بزدلی ناکامی اور شکست کا سبب بنتی ہے۔ اے ایمان والو! ان مشرکوں کی طرح بننے سے بچو جو مکہ سے بدر کے لیے طاقت و قوت اور دولت کے نشہ میں چور ہو کر فخر کرتے ہوئے، غرور و گھمنڈ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلے۔ وہ لوگوں کو اپنی طاقت دکھا رہے تھے، تاکہ انھیں اسلام سے روک سکیں اور ان کی تعریفیں لوٹ سکیں، وہ جو کچھ کرتے ہیں، اللہ سب جانتا ہے وہ ان کے تمام کرتوتوں سے واقف ہے۔ اس نے ان کے تمام اقوال و اعمال کو نوٹ کر رکھا ہے، تاکہ یہ لوگ عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔)

ان سب آیات میں متعدد ہدایات دی گئی ہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ صبر کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور بار بار اس کی تلقین کی گئی ہے، دراصل آزمائش میں صبر کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے کہ انسان کو صبر کے ذریعہ بھی آزماتا ہے اور شکر کے ذریعہ بھی آزماتا ہے، بلکہ اس نے موت و حیات کو بھی آزمائش قرار دیا ہے الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ... (الملک: ۲) صبر کرنے والوں کی اس نے تعریف کی ہے: وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ (البقرۃ: ۱۷۷) (تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو...... ہر حال میں صبر کرنے والے ثابت قدم ہوتے ہیں)۔

صبر کے ذریعہ قوت و مدد حاصل کرنے کی تلقین کی ہے اور پھر صبر کرنے والوں کی حفاظت و مغفرت کی بشارت دی ہے۔

''مسلمانو! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو۔ یقین کرو اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرۃ: ۱۵۳)

''اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ایسا کرو گے تو تمھاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اُکھڑ جائے گی اور (جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں پیش آئیں) تم صبر کرو، اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔'' (الانفال: ۴۶)

''مگر جو صبر کرے اور دوسروں کی خطا بخش دے تو یہ بڑی ہی عالی حوصلگی کے کام ہیں۔'' (الشوریٰ: ۴۳)

قرآن مجید کی متعدد آیات صبر کو انبیاء کی صفت قرار دیتی ہیں، اور یہ واضح کرتی ہیں کہ آزمائشوں پر صبر فتح و نصرت اور فلاح کی شاہِ کلید ہیں، محمود بن لبید کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان پر آزمائش ڈالتا ہے، جو صبر سے کام لیتا ہے، اس کے لیے صبر ہے اور جو جزع فزع کرتا ہے اس کے لیے جزع ہی ہے۔)

اور حضرت صہیب کی بڑی مشہور روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: (مؤمن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے۔ اور یہ بات مؤمن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔ جب اُسے خوش حالی میسر آتی ہے تو (اللہ کا) شکر کرتا ہے۔ اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو (اللہ کی رضا کے لیے) صبر کرتا ہے، یہ بھی فی الوقت اس کے لیے بھلا ہوتا ہے۔)

پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ موت کا خوف دل سے نکال دیا جائے، کیوں کہ اس کے بغیر شجاعت و پامردی اور قربانی و آزمائش سے گذرنے کا حوصلہ پیدا ہی نہیں ہوتا!

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا٥ (النساء: ۷۸)

(تم جہاں بھی رہو اور جتنا بھاگو موت تو تم کو آکر رہے گی خواہ تم مضبوط اور بند قلعہ میں ہو، کوئی حیلہ موت سے نہیں بچا سکتا، کوئی دوا موت نہیں روک سکتی۔ پھر خدا تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا کہ جب ان منافقین کو دنیاوی زندگی میں کچھ فائدہ پہنچتا ہے، ان کے اموال و اولاد میں اضافہ ہوتا ہے، یا ان کو مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارا مقام ہونے کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ہمارے لیے خاص کی ہیں اور جب ان کو موت کی مصیبت پہنچتی ہے یا کوئی مرض لاحق ہوتا ہے یا فقر و فاقہ کی مصیبت آتی ہے یا شکست ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ رسالت محمدی کی ''نحوست'' کے سبب ہے۔ (العیاذ باللہ) چوں کہ ہم نے ان کا اتباع کیا اسی لیے ہم اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کو حکم دیا کہ انھیں بتلا دیں کہ اے عقل سے عاری لوگو! جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ قضائے الٰہی میں مقدر ہوتا ہے، خیر ہو یا شر، پہلے سے تقدیرِ الٰہی میں لکھی ہوئی ہے۔ ان ناسمجھوں کو کیا ہو گیا کہ یہ دین کا مفہوم ہی نہیں سمجھتے۔ مصالح شریعت ہی نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ منافق کو دین کی سمجھ ہی نہیں ہوتی۔ شریعت کے سلسلہ میں منافق کی عقل مریض ہوتی ہے۔)

اسبابِ نصرت و فتح کے باب میں آخری بات یہ ہے کہ خود

کو عقل کُل نہ سمجھا جائے، نہ ہی اہل علم وفکر اور اصحاب رائے سے کنارہ کشی کی جائے، رسول اللہؐ ہمیشہ اپنے صحابہ سے مشاورت کرتے تھے، قرآن مجید اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان کرتا ہے کہ:

وَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ (الشوریٰ:۳۸)

(ان نیک لوگوں کی صفات میں سے یہ ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ کی بات مانی، نبی کریمؐ نے انھیں ایمان اور مخلصانہ عبادت کی دعوت دی تو اس کو قبول کیا۔ نماز کو اس طرح پورے اہتمام کے ساتھ ادا کیا جیسے اس کا حکم دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے معاملات میں آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی اپنی رائے پر کسی دوسرے مسلمان بھائی کو مجبور نہیں کرتا چنانچہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان تعلق کو نماز کے ذریعہ مضبوط کرتے ہیں۔ وہ اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تعلق کو مشورے اور نصیحت کے ذریعے مضبوط کرتے ہیں اور اللہ نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، علم، مال اور عہدہ و منصب سب کے ذریعے دین کی اور خلقِ خدا کی خدمت کرتے ہیں)۔

حالات کے تناظر میں قرآن مجید کے فلسفہ آزمائش و نصرت کو سمجھنا ضروری ہے، جن لوگوں کے پاس سرسری معلومات ہوتی ہیں، یا جن کا قرآن مجید کا مطالعہ نظریاتی ہوتا ہے، جو اس نظر سے قرآن نہیں پڑھتے، جس نظر سے صحابہ پڑھا کرتے تھے، وہ عام طور پر آزمائشوں سے پریشان ہو جاتے ہیں، کم علم اور کمزور ایمان کے لوگ الحاد کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، حالاں کہ قرآن مجید میں ان کے لیے سامان تسلی موجود ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو صاحبِ ایمان کی نظر سے پڑھیں، غیر متزلزل ایمان کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں، اس موضوع پر مزید تفصیل اور بہتر تنظیم و ترتیب کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن ضروری خیال ہوا کہ حالات کے تناظر میں سرسری طور پر ایک مطالعہ پیش کر دیا جائے، اور اس باب میں قرآنی بیانیہ کو وضاحت سے سامنے رکھ دیا جائے، قرآن مجید اس پورے فلسفہ کو ایک فقرہ میں بیان کر دیتا ہے۔

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران:۱۳۹)

(اے مسلمانو! تم بزدل و کمزور مت پڑو۔ وہن ''یعنی دنیا کی محبت اور موت سے خوف'' تمہارے عزائم کو کمزور نہ کرے، راہِ خدا میں جو پریشانیاں جھیل رہے ہو ان پر غم نہ کرو، اس لیے کہ حسنِ انجام تو تمہارے لیے ہی ہے، تم ہی بلند و غالب اور کامیاب رہو گے، اللہ تمہارا مولیٰ ہے، حضرت محمد مصطفیٰؐ تمھارے رسول ہیں۔ قرآن مجید تمھاری کتاب ہے۔ جنت تمہارا ٹھکانہ ہے۔ کفار کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔ فساد ان کا راستہ ہے۔ گمراہی ان کا طریقہ ہے۔ جہنم ان کا ٹھکانہ ہے۔ اے مسلمانو! تم اس دنیا میں خوش بخت ہو، اس لیے کہ تمہارے دل ہدایت سے معمور ہیں، تمہارے مقتولوں کے لیے مرتبۂ شہادت ہے، تمہارے مردوں کے لیے اجر عظیم ہے۔ تمہاری اور کفار کی کوئی برابری نہیں ہے۔ تم نیکوکار و ابرار ہو، تم نے اللہ کو راضی کیا ہے، جب کہ وہ شریر و فاجر ہیں۔ ان کے لیے بدترین ٹھکانہ اور اللہ کا عذاب ہے۔)

ساتھ ہی اس فلسفہ کی بنیاد فراہم کرتے ہوئے قرآن مجید اس طرح تلقین کرتا ہے:

وَ لَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۝ (النساء:۱۰۴)

''دشمنوں کے تعاقب میں وہن کا شکار مت ہونا، یعنی دشمنوں کا پیچھا کرنے میں نہ ڈرنا، نہ بزدلی دکھانا۔ اگر تم کو تکلیف ہوتی ہے، نقصان ہوتا ہے تو وہ بھی تمہاری طرح ہی انسان ہیں، ان کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، لیکن ان کے اور تمھارے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ تم اللہ سے اجر و ثواب اور اچھے انجام کی امید رکھتے ہو۔ جب کہ ان کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو اس کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ انھیں خدا سے کسی خیر کی امید ہی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون دشمن سے جہاد کرنے میں اپنی نیت میں سچا ہے اور اللہ کی رضا کا طلب گار ہے، اس کے احکام حکمت پر مشتمل ہیں، جن کو اس نے عدل و حکمت کے ساتھ حالات و مقام اور مشکلات کے موافق و مناسب اتارا ہے''۔

موجودہ صورتحال کا جائزہ لیجیے، عالمِ اسلام مغرب کی خواہشات پر عمل کرنے میں مقابلہ آرائی کر رہا ہے، اہلِ منصب کفار کی آراء پر سر دھن رہے ہیں حالانکہ نبیؐ کو سب سے منہ موڑ کر اپنے دین پر استقامت کا حکم دیا گیا تھا، جب صورت حال یہ ہو گئی ہے تو من حیث الامت ہم نصرت خداوندی کے حق دار کیسے ہو سکتے ہیں؟

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۝ (الشوریٰ:۱۵)

''پس دینِ اسلام جو تمام انبیا کا دین ہے، اے نبی! آپ اسی کی طرف دعوت دیں، لوگوں کو اسی کی طرف بلائیں اور اپنے دین پر، اللہ کے حکموں کی اطاعت کیجیے اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے، ان سے رکے رہیے اور ایسے ہی جمے رہیے جیسے اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اور تاکید و وصیت فرمائی ہے۔ بس اسی کے مطابق استقامت کا مظاہرہ کریں، گویا علم پر عمل اور اتباع مطلوب ہے نہ کہ کچھ نیا ایجاد کرنا۔ کفار کی گمراہ کن آراء اور ان کے خیالات کی اتباع نہ کیجیے، بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کی جانے والی وحی کو لازم پکڑیے چنانچہ اللہ کے احکامات کو لازم پکڑنا اور اس کے مخالف و معارض جو بھی رائے ہو اس کو چھوڑ دینا ہی اصل ہے۔ اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ میں ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہوں جو اللہ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائیں اور اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے میں انصاف کروں۔ اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کروں نہ کہ اجرت و معاوضہ کی بنیاد پر۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے، اس لیے واجب ہے کہ صرف اسی کی بندگی کی جائے، ہمیں ہمارے اچھے اعمال کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے برے اعمال کی سزا ملے گی۔ حق ظاہر ہونے اور حجت قائم ہونے کے بعد ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا اور تکرار نہیں۔ اللہ قیامت کے دن ہم سب کو جمع کرے گا تاکہ ہمارے درمیان جن چیزوں میں اختلاف ہے ان کا فیصلہ کر دے۔ اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے پھر وہ عمل کرنے والے کو اس کے اچھے برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا''۔

استقامت نصرتِ الٰہی کی ضمانت ہے، استقامت کے سبب ہی خوف کی نفسیات سے نجات ملتی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ (الاحقاف:۱۳)

''بے شک جن لوگوں نے کہا: اللہ ہمارا رب ہے، انھوں نے اس کی ربوبیت و الوہیت کی گواہی دی۔ اس کی اطاعت پر جمے رہے اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے گریز کرتے رہے، انھیں آئندہ پیش آنے والے خطرات و ہولناکیوں کا کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی انھوں نے جو اعمال کیے اور جو مال و اولاد چھوڑا اس کا کوئی غم ہوگا''۔

اسی استقامت و ثبات اور حق پر جم جانے کے نتیجے میں اصحابِ کہف کی نصرت کی گئی اور فرمایا گیا:

>>> باقی صفحہ نمبر ۱۰ <<<

پچھلے پانچ برسوں میں کشمیر میں کیا بدلا؟

نعیمہ احمد مہجور

لندن میں پانچ سال رہنے کے بعد جب میں نے بھارت کے زیرِانتظام کشمیر جانے کے لیے ایئرپورٹ کی راہ اختیار کی تو اپنے آبائی گھر پہنچنے کا وہ تجسس اور جلدی نہیں تھی، جو ماضی میں دورانِ سفر میں نے ہمیشہ محسوس کی ہے۔

میرے ذہن میں ۲۰۱۹ء کی یادیں تازہ ہیں۔ دہلی سے سری نگر کا سفر کشمیری مسافروں کے ساتھ ہم کلام ہونے میں گزر جاتا۔ آج طیارے میں چند ہی کشمیری پیچھے کی نشستوں پر بیٹھے تھے جبکہ پورا طیارہ جاپانی اور بھارتی سیاحوں سے بھرا پڑا تھا۔ کیا کشمیری ہوائی سفر کم کرنے لگے ہیں یا سیاحوں کی تعداد کے باعث ٹکٹ نہیں ملتا یا پھر وہ اب مہنگے ٹکٹ خریدنے کی سکت نہیں رکھتے؟ اپنے ذہن کو جھٹک کر میں نے دوبارہ پیچھے کی جانب نظر دوڑائی شاید کوئی جان پہچان والا نظر آجائے۔ جاپانی سیاح منہ پر ماسک چڑھائے مزے کی نیند سو رہے تھے اور بھارتی کھڑکیوں سے باہر برف پوش پہاڑوں کی فوٹوگرافی میں مصروف تھے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کو ہٹانے کے بعد بھارتی آبادی کو باور کرایا گیا ہے کہ اس کے زیرانتظام جموں وکشمیر کو جیسے آزاد کرا کے بھارت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ سرینگر کے ایئرپورٹ سے نکل کر اگر میرے ڈرائیور نے دور سے آواز نہ دی ہوتی تو مجھے غیرکشمیری بھیڑ میں کھو جانے کا احتمال تھا۔

ایئرپورٹ کچھ خاص بدلا نہیں مگر انجان چہرے استقبال کے لیے نظر آتے ہیں۔ گھر تک جانے والے راستے نئی دکانوں، ہوٹلوں اور شاپنگ مالز سے بھرے پڑے ہیں۔ سکیورٹی فورسز کی ہر چپے پر بنکر اور موجودگی کم کر دی گئی ہے اور پولیس کی سائرن بجانے والی گاڑیاں ٹریفک کے بیچ میں گزر کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں۔

میں خیالوں میں پانچ سال پہلے کے اس راستے کو تلاش کرنے لگی جس پر حریت کے رہنماؤں سمیت مین اسٹریم کے بیشتر بادشاہوں کی جھلک دیکھنے کو ملتی تھی۔ میرا ڈرائیور اگر گاڑی کی بریک دبا کر مجھے جھٹک نہ دیتا تو میں ۱۹۹۰ء کے اُن جلوسوں میں کھو جاتی جو اکثر یہاں سکیورٹی اور عوام کے مابین شدید تکرار کا باعث بنتے تھے۔

اس کا ذکر کرنا شجرِ ممنوعہ ہے اور کتابوں میں ایسے صفحے غائب کر دیے گئے ہیں۔ بقول ایک دوست 'ہماری تاریخ پانچ اگست ۲۰۱۹ء سے لکھی جا رہی ہے'۔ ہر ٹریفک سگنل کے سامنے درجنوں بھکاری گاڑی کو تب تک جانے نہیں دیتے، جب تک آپ جیب میں سے نوٹ نکال کر اُن کے ہاتھوں میں نہیں تھما دیتے۔ میں یہ طے نہیں کر سکی کہ ان سیکڑوں بھکاریوں کو میں کس زمرے میں ڈالوں؟ سیاح یا نئے بسکین در؟ کشمیر کے رنگوں میں مزید کئی رنگ شامل ہو گئے ہیں، بالخصوص کیسری نے کشمیر کے گلابی چہروں کو دھوڈالا ہے۔

بجلی کا ہر کھمبا اب ترنگا بن چکا ہے، بیشتر دیواروں پر کیسری رنگ چڑھانے یا گھر یا دکان کی چھت پر ترنگا لہرانا احساسِ تحفظ کی علامت بن گیا ہے۔ لگتا ہے کہ ہر طرف سرسوں کے لہراتے کھیتوں کا رنگ ہر ایک شے پر چڑھ گیا ہے حتیٰ کہ زیورات بیچنے کی ایک بڑی دکان پر سیلز گرلز کا دوپٹہ بھی کیسریا ہو گیا ہے۔ مقامی شہریوں میں کشمیری میں بات کرنے کی عادت نہیں رہی ہے بیشتر لوگ اُردو یا ہندی میں جواب دینے کے قائل ہو گئے ہیں۔ سیاحت کا بھوت زبان کو نگل چکا ہے۔

مجھ پر سکتہ طاری ہوا

کشمیری شناخت چھننے کا ماتم کرنے والی قوم خود ہی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی ہے۔ نوجوانوں کی ایک چھوٹی تعداد کو مستقبل کی نئی گلیوں میں داخل ہونے کا دعویٰ کرتے سُنا۔ یہ گلیاں روشن ہیں یا تاریک؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کشمیر کی اس بھیڑ میں چند اکا دکا چہروں پر بے بسی کی ایک لمبی داستان لکھی ہوئی ہے، جن کو پڑھنے کے لیے اب کسی کے پاس وقت نہیں رہا ہے۔

بھارت کے ۱۰۰ اسمارٹ شہروں کی فہرست میں سرینگر شامل ہے، جس کے آثار ہر دو گز کے فاصلے پر نظر آتے ہیں، جیسے چند برس پہلے ہر دس گز پر شناختی کارڈ دکھانے کی بندش ہوتی تھی، وہ تقریباً ختم ہو چکا ہے مگر اسمارٹ سٹی کے رنگوں نے ایک نئے کشمیر کی بنیاد ڈالی ہے۔

عوام جی ٹوئنٹی کے نشانات، ترنگا میں لپٹے رنگین پُل اور ٹریفک سائن بورڈ دیکھنے کے قائل ہو گئے ہیں یا کر دیے گئے ہیں؟ اس کا تعین کرنے کی اجازت ابھی نہیں ملی۔

ڈل جھیل اور دریائے جہلم کے بیشتر حصے کے دونوں کناروں پر صفائی ستھرائی دیکھ کر یا پیدل چلنے والوں کے لیے پاتھ بنانے پر دلی مسرت ہوئی۔ شاید کشمیر کی اس لائف لائن کو بچانے کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ اس اقدام کے لیے بی جے پی کے کئی گناہ معاف کیے جاسکتے ہیں۔

جہلم فرنٹ کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے بجائے مقامی نوجوانوں کو سگریٹ نوشی یا گانجا پیتے دیکھ کر دل کراہ اُٹھا۔ مگر کتوں کی اچھی خاصی تعداد اور چھینا جھپٹی کے مناظر کئی بار بھاگنے پر مجبور بھی کرتی ہے۔ شام کے وقت پولیس اور نوجوانوں کے درمیان کہیں کہیں پر تبادلہ خیال بھی ہوتے دیکھا، یعنی پوچھ تاچھ کی روایت برقرار ہے۔ ایک سیاست دان نے مسکرا کر کہا 'وی آر ناٹ یٹ آوٹ آف ووڈس'۔

چند روز پہلے راج باغ اور لال چوک کو ملانے والے فوٹ برج کے عین بیچ پہنچ کر کسی نے دریائے جہلم میں چھلانگ لگا کر خودکشی کی۔ کافی دیر انتظار کے بعد میں نے خودکشی کرنے والے کے بارے میں پوچھا۔ سب نے خاموشی اختیار کی جبکہ پولیس نے جو جموں وکشمیر کی کم اور کسی دوسری ریاست کی زیادہ لگتی ہے، شکارہ بوٹ منگوا کر ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ ایک روز بعد معلوم ہوا کہ امتحان میں فیل ہونے والے ایک طالب علم نے خودکشی کی ہے۔

خبر سُننے کے چند گھنٹے کے بعد نمازی، پولیس، سیاح اور نوجوان جائے واردات سے چلے گئے۔ نہ کسی دل میں ملال، نہ کسی چہرے پر افسردگی اور نہ کوئی آہ و بقا ہی کر رہا تھا۔ شاید دنیا سفاک اور بے حس بن چکی ہے، کسی کے مرنے یا مارنے سے اب کوئی اثر نہیں ہوتا۔

لال چوک کے چاروں جانب جہاں شاپنگ مالز کی بھرمار ہوئی ہے، غریب اور متوسط طبقے کے لیے ہر اتوار کو سنڈے مارکیٹ لگتی ہے۔ میں نے بھی اس مارکیٹ کی بھیڑ کا حصہ بننے کی کوشش میں عام لوگوں سے حال چال جاننا چاہا۔

اکثر لوگوں نے اپنا حال بتانے سے گریز کیا۔ جس نے بات کی اُس نے اُردو یا ہندی میں ایک معنی خیز ہنسی کے ساتھ بولا 'سب چنگا ہے'۔ اور جو گلی میں پہنچ کر میرے کان میں سرگوشی کرنے لگے وہ کہہ رہے تھے کہ یہ سرزمین جاسوسی کا اڈہ بن چکی ہے، جس میں 'ادھر اور اُدھر' کے دونوں کیمپ بدستور موجود ہیں۔ خاموشی سے سب اپنا کام کر رہے ہیں۔

پلوامہ ضلع میں، میں نے ہمیشہ دہشت اور خوف جھلکتا دیکھا ہے۔ گو کہ علاقے میں کاروباری سرگرمیاں اب کافی بڑھ گئی ہیں مگر دوران سفر روہمو کی جانب میں نے سکیورٹی کے

کاروان کو ہاڑ دھاڑ میں جاتے ہوئے دیکھا۔

پتا چلا کہ ایک گاؤں میں سکیورٹی فورسز کی چھاپے کی کارروائی ہونے جارہی ہے، جہاں چند بندوق برداروں کی کمین گاہ کا پتا چلا ہے۔ گاؤں والوں کے چہروں پر خوف تھا اور کچھ ہنس کر کہہ رہے تھے کہ 'ابھی سب چنگا نہیں ہے'۔

بھارت کے پارلیمانی انتخابات کا اثر میڈیا تک محدود ہے۔ بیشتر آبادی کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ البتہ مقامی سیاسی جماعتوں کے اپنے کارکنوں کو دوبارہ منظم کرنے کے اقدامات نظر آئے۔ اندرونی خودمختاری کو واپس لانے کے وعدے دوہرائے جارہے ہیں حالانکہ ابھی یونین ٹریٹری سے ریاست کا درجہ نہیں ملا۔

ایک طرف مقامی جماعتوں نے بی جے پی کو ہرانے کے لیے 'انڈیا الائنس' کے ساتھ اتحاد کیا ہے لیکن دوسری جانب اُدھم پور میں بی جے پی کے سابق وزیر اور کانگریس میں شامل ہونے والے چودھری لال سنگھ کو جتوانے کی باتیں ہو رہی ہیں، جس نے آصفہ کی عصمت ریزی اور ہلاکت کے بعد مجرموں کے حق میں آواز اُٹھائی تھی اور جو پی ڈی پی کی حکومت گرانے کا موجب بھی بنا تھا۔

اس بات کو ماننا پڑے گا کہ موجودہ سرکار نے آمد و رفت کو آسان بنانے کے لیے بیشتر سڑکیں اور گلی کوچے پختہ بنائے ہیں۔ شہروں میں بجلی اور پانی دستیاب رکھا ہے، ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کی مدد سے روزمرہ کی مشکلات کو دور کرنے کے فوری انتظامات میسر رکھے ہیں۔

ماضی کی مقامی حکومتیں بھی ایسا کرسکتی تھیں مگر بددیانتی اور اقربا پروری کی عینک نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔

بجٹ کا بڑا حصہ سکیورٹی کے زمرے میں رکھ کر عوام کو بیشتر بنیادی سہولیات سے نہ صرف محروم رکھا گیا بلکہ روز روز کی ہلاکتوں سے تشدد کا گراف ہمیشہ بڑھتا رہا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ عوامی حلقوں میں اس وقت جتنی نفرت مقامی سیاسی جماعتوں کے لیے پائی جاتی ہے، اُس سے تین گنا کم بی جے پی کے خلاف ہے۔ بعض لوگ موجودہ انتظامیہ سے مطمئن نظر آئے جس نے تشدد پر قابو اور بنیادی سہولیات میسر رکھنے کا وعدہ کسی حد تک نبھایا ہے۔

میں یہ وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ بی جے پی کی ہندوتوا پالیسی نہ ہوتی تو انڈیا کے زیر انتظام جموں و کشمیر کی بیشتر آبادی پارلیمان کی تمام نشستیں بی جے پی کے نام کر دیتی۔

(بحوالہ: ''انڈی پنڈنٹ اردو ڈاٹ کام'' ۔ ۱۲ اپریل ۲۰۲۴ء)

بقیہ: امریکا کو پیچھے چھوڑنے کی چینی تیاریاں

امکانات ہی امکانات ہیں۔ چینی قیادت نے عالمگیر سطح پر غیر معمولی فوائد حاصل کرنے کی منصوبہ سازی بھی بہت عمدگی سے کی ہے۔ چینی قیادت چاہتی ہے کہ ہائی ٹیک سمیت تمام اہم ترین شعبوں میں کوئی بھی چین کے سامنے کھڑا ہونے کی ہمت اپنے اندر نہ پائے۔ یہ سب کچھ آسان ہے نہ سستا۔ محنت بھی بہت کرنی ہے اور خرچ بھی بہت کرنا ہے۔ چینی قیادت بھی اس بات کو سمجھتی ہے کہ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑے گا یعنی تجوریوں کے منہ کھولنے پڑیں گے، مالیاتی وسائل پانی کی طرح بہانا پڑیں گے۔

چین کے لیے ناگزیر ہے کہ صنعتی نظام کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے۔ چین کے وزیر اعظم لی کیانگ نے حال ہی میں اس حوالے سے ترجیحات اور اہداف کا اعلان کیا ہے۔ نئے صنعتی ڈھانچے کے ساتھ ساتھ نئی پیداواری قوتوں کا وجود بھی یقینی بنانا ہوگا۔ ملک کے اندر طلب بڑھانا ہوگی تاکہ مال زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانے پر تیار کیا جائے اور بہت سستا پڑے۔ اِسی صورت برآمدی منڈی کو اپنے ہاتھ میں رکھا جاسکتا ہے۔ چینی معیشت کو نئی زندگی عطا کرنے کے لیے لازم ہے کہ نئی سوچ اپنائی جائے اور مسابقت کی فضا کا ڈٹ کر سامنا کیا جائے۔ مسابقت کو ختم کرنے کے بجائے اُس کا سامنا کرنے کی صورت ہی میں حقیقی نمو کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

(ترجمہ: ابوصباحت)

"How Xi Jinping plans to overtake America".
("The Economist". March 31, 2024)

بقیہ: لوک سبھا انتخابات اور 'دی ڈکٹیٹر' کی دوڑ

شروع کر دیا ہے۔ نریندر مودی نے کہا کہ کانگریس پارٹی کے انتخابی منشور کے ہر صفحے پر مسلم لیگ کی چھاپ ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپوزیشن جماعتوں کو رام مخالف قرار دے رہے ہیں اور عوام سے انھیں سبق سکھانے کو کہہ رہے ہیں۔ انتخابی ضابطہ اخلاق کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ لیکن کیا ان کا مقرر کردہ الیکشن کمیشن ان پر پابندی لگا سکے گا؟

باہر کے ممالک یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ آزاد ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے نمائندے نے یہ بیان دینا ضروری سمجھا ہے کہ وہ امید کرتے ہیں کہ ہر ایک کے شہری اور آئینی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ اور تمام لوگ آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ لے سکیں گے۔ کیا ان کی یہ تشویش بے جا ہے؟

یہ الیکشن ہندوستان میں جمہوریت کے مستقبل کے لیے بہت اہم ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت ہندوستان کے تمام آئینی اداروں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ بی جے پی کی جانب سے کام کریں گے اور میڈیا نے اس کے پروپیگنڈہ کا کردار سنبھال لیا ہے۔ اپوزیشن جماعتوں کے ہاتھ پاؤں باندھے جارہے ہیں۔ ایسے میں امید صرف عوام سے ہے کہ وہ یہ سب کچھ سمجھے گی اور اپنا کردار ادا کرے گی۔

(بحوالہ: ''دی وائر اردو ڈاٹ کام'' ۔ ۱۲ اپریل ۲۰۲۴ء)

بقیہ: اسلام کا فلسفہ نصرت و آزمائش

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًىo وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًاo (الکہف: ۱۳-۱۴)

''اے نبی! اللہ تعالیٰ اصحابِ کہف کا قصہ آپ کو سچائی اور یقین کے ساتھ سنا رہا ہے۔ یہ وہ نوجوان تھے جنھوں نے اپنے رب کی وحدانیت کا اقرار کیا، اس کی اطاعت کی تو اللہ نے ان کے ایمان، یقین اور ہدایت میں اضافہ کر دیا اور انھیں حق پر استقامت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان کے ساتھ مضبوط کر دیا، اس وقت انھیں عزیمت پر قائم رکھا، جب کہ وہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی خاطر کھڑے ہوئے۔ بادشاہ انھیں اللہ کی بندگی کرنے اور بت پرستی کو ٹھکرانے کے سبب ملامت کر رہا تھا، لیکن وہ نوجوان جواب دے رہے تھے کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے، ہم اس کی توحید کے قائل ہیں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، ہم نہ اس کے علاوہ کسی اور کی بندگی کرتے ہیں اور نہ کسی اور کو یکتا و تنہا جانتے ہیں اگر اس کے علاوہ ہم کوئی اور بات کہیں گے تو اس کا مطلب کہ ہم جھوٹ بولیں گے، ناحق بات کہیں گے اور حق سے گمراہ ہوں گے''۔

ان چند نصوص کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، یہاں حالات کو اسباب و عمل سے مربوط رکھا گیا ہے، عروج و زوال اور آزمائش و نصرت کے اسباب کتاب و سنت میں واضح کر دیے گئے ہیں، عارضی طور پر امت اس وقت دورِ زوال سے گزر رہی ہے، کتاب و سنت اور منہج نبوی سے بُعد کے سبب مبتلائے آزمائش ہے، لیکن ظلمت کے یہ بادل چھٹیں گے، اسباب تبدیل ہوں گے، یہ امت پھر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوگی، نہ صرف اپنے حقوق حاصل کرے گی بلکہ اپنے منصب کے مطابق اقدام و عمل کرتے ہوئے نظامِ عدل قائم کرے گی اور پوری دنیا میں حق و انصاف کی روشنی بکھیرے گی ان شاء اللہ العزیز۔

مَوت کی نئی سائنس

Alex Blasdel

مریضہ نمبرایک ۲۴ سال کی تھی اور تیسری بار امید سے تھی کہ لائف سپورٹ سسٹم سے ہٹالی گئی۔ یہ ۲۰۱۴ء کی بات ہے۔ اِس سے دو سال قبل اُس میں ایک ایسی طبی پیچیدگی کی تشخیص ہوئی تھی جس کے باعث اُس کی دھڑکن بے قاعدہ ہوگئی تھی اور پچھلے دو حمل کے دوران وہ بے ہوش بھی ہوئی اور جسم کو سقوط کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ تیسری بار امید سے ہونے پر چوتھے ہفتے میں وہ گھر میں فرش پر گرگئی۔ اُس کی والدہ اُس کے پاس تھیں۔ انہوں نے ایمرجنسی سروس کو کال کی۔ ایمبولینس کے آنے تک مریضہ کو بے ہوش ہوئے ۱۰ منٹ گزر چکے تھے۔ نیم طبی عملے نے اُس کے دل کو رُکا ہوا پایا۔

مریضہ کو ایک ایسے اسپتال لے جایا گیا جہاں اُس کا علاج ممکن نہ تھا۔ پھر اُسے مشی گن یونیورسٹی کے ایمرجنسی ڈپارٹمنٹ لے جایا گیا۔ وہاں طبی عملے نے اُس کے دل کو دوبارہ متحرک کرنے کے لیے تین بار ڈیفبریلیٹر کے ذریعے جھٹکے دیے۔ اس کے بعد اسے ایکسٹرنل وینٹی لیٹر پر رکھ کر پیس میکر لگانے کے بعد نیورو انٹینسیو کیئر یونٹ میں پہنچادیا گیا جہاں ڈاکٹروں نے اُس کے دماغ کی حرکات کی مانیٹرنگ شروع کی۔

بیرونی عوامل پر مریضہ نے کوئی ریسپانس نہیں دیا۔ اُس کے دماغ میں اچھی خاصی سُوجن پائی گئی۔ وہ تین دن تک گہرے کوما میں رہی اور اِس کے بعد اُس کی فیملی نے طے کیا کہ لائف سپورٹ سسٹم ہٹالیا جائے۔ اس مرحلے میں یعنی آکسیجن کی فراہمی روکے جاتے اور سانس لینے میں مدد دینے والی ٹیوب ہٹائے جانے پر مریضہ نمبر ایک جدید تاریخ میں ایک پیچیدہ سائنسی کیس بن کر ابھری۔

یونیورسٹی آف مشی گن میں نیورولوجی کی پروفیسر جیمو بورجیگن کئی سال تک اس سوال کے ہاتھوں ذہنی الجھن میں رہیں کہ جب ہم مرتے ہیں تو (بالعموم ہمارے جسم اور بالخصوص ہمارے ذہن میں) کیا ہورہا ہوتا ہے۔ انہوں نے دل کے اچانک بند ہوجانے جیسی کیفیت سے نپٹ کر موت کے منہ سے واپس آنے والوں کے بارے میں پڑھا تھا۔ اِسے Near Death Experience (قربِ مرگ) کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ غیر معمولی نوعیت کا ذہنی سفر کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے لوگ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے جسم سے نکل کر آنکھوں کو چُندھیا دینے والی ایسی روشنی کی طرف سفر کیا جہاں اُن کا خیر مقدم اُن رشتہ داروں نے کیا جو اِس دنیا کا حصہ نہیں ہیں۔ قربِ مرگ سے دوچار ہونے والے دوسرے بہت سے لوگوں نے بتایا کہ اُنہیں زندگی کی نئی تفہیم کا موقع ملا یا انتہائی درجے کے خیر سے ہم کنار لوگوں سے ملنا نصیب ہوا۔

پروفیسر جیمو بورجیگن ان کہانیوں کے مواد پر زیادہ یقین نہیں رکھتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ مرتے ہوئے لوگوں کی روحوں کے بعد از مرگ دنیا (برزخ) کے سفر کی بات غلط تھی تاہم اِتنا وہ ضرور محسوس کرتی تھیں کہ ان مریضوں کے دماغ میں کچھ نہ کچھ خاص ضرور چل رہا ہوتا تھا۔ لیبارٹری میں انہوں نے اتنا ضرور معلوم کرلیا تھا کہ جب چوہوں کے دل دھڑکنا بند کردیتے ہیں اور اُن کے دماغ آکسیجن سے محروم ہوجاتے ہیں تب اُن میں بہت سے نیوروٹرانسمیٹرز کا طوفان سے برپا ہوتا ہے جس میں سیروٹونن اور ڈوپامائن بھی شامل ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے سوچا کیا انسانوں میں بھی قربِ مرگ کے تجربے میں ایسی ہی کسی حقیقت سے عجیب و غریب احساسات ابھرتے ہوں گے اور یہ کہ کیا یہ سب کچھ اُن کے معاملے میں بھی ہوتا ہے جن کے دل کی دھڑکن بحال کرنے میں کامیابی نہیں مل پاتی۔

مرنے کا عمل تحقیق کے حوالے سے ایک اہم شعبہ ہے۔ بورجیگن نے سوچا کہ دوسرے بہت سے سائنس دانوں نے بھی موت کے بارے میں سوچا ہوگا اور مرنے کے عمل کے دوران دماغ میں جو کچھ بھی چل رہا ہوتا ہے، اُس کی اچھی خاصی تفہیم بھی ممکن بنائی ہوگی مگر جب انہوں نے اس حوالے سے سائنسی لٹریچر پڑھا تو اُن کا ذہنی افق زیادہ وسعت نہ پاسکا۔ انہوں نے حال ہی میں گفتگو کے دوران مجھے بتایا "مرنا ہماری زندگی کا ناگزیر حصہ ہے مگر ہم مرتے ہوئے دماغ کے بارے میں جو کچھ جانتے ہیں، اُسے نہیں کے برابر قرار دیا جاسکتا ہے۔"

اُنہوں نے واپس جا کر یہ جاننے کا فیصلہ کیا کہ یونیورسٹی آف مشیگن کے نیورو انٹینسیو کیئر یونٹ میں مرنے والوں کے دماغ میں کیا چلتا رہا تھا۔ مریضہ نمبر ایک بھی اُن میں شامل تھی۔ جب بورجیگن نے مریضہ نمبر ایک پر تحقیق شروع کی تب موت کے حوالے سے سائنسی بنیاد پر تفہیم جمود اور تعطل کا شکار تھی۔ ۱۹۶۰ء کے بعد سے دل کی دھڑکن بحال کرنے کے حوالے سے پیش رفت نے ایسے ہزاروں افراد کو دل کی دھڑکن کی بحالی کے ذریعے دوبارہ زندگی دی جو بصورتِ دیگر مر ہی چکے ہوتے۔ اِن میں سے ۱۰ تا ۲۰ فیصد نے قربِ مرگ کے تجربات بیان کیے جن کے مطابق اُن کی روح یا وجود اُن کے جسم سے الگ ہوگیا تھا۔ چند ایک نے تو، اُوپر سے، ڈاکٹرز کی ٹیم کو اپنے دل کی دھڑکن بحال کرنے کی کوشش کرتے بھی دیکھا۔

بین الاقوامی سطح پر کیے جانے والے رائے عامہ کے متعدد جائزوں اور تحقیق کے مطابق ہر ۱۰ میں ایک فرد یہ بتاتا ہے کہ دل کی دھڑکن بند ہوجانے کے کیس میں یا ایسے ہی کسی اور معاملے میں اُس نے قربِ مرگ کی سی کیفیت کا سامنا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا بھر میں کم و بیش ۸۰ کروڑ افراد ایسے ہیں جنہوں نے کبھی نہ کبھی موت کی دہلیز پر پہنچ کر بعد از مرگ زندگی کا مشاہدہ کیا اور پھر دوبارہ دُنیوی زندگی کی طرف لَوٹ آئے۔

قربِ مرگ کے یہ تجربات و واقعات غیر معمولی نوعیت کے تھے اور اِن میں استحکامِ فکر اس قدر تھا کہ چند سائنس دانوں نے یہ ماننا شروع کردیا کہ اِن میں کچھ نہ کچھ سچائی بھی ہے یعنی اُن کے خیال میں لوگوں کے پاس واقعی ایسے دماغ یا ارواح تھیں جو اُن کے جسم کی حدود و قیود سے دور زندہ اور موجود تھیں۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں شمالی امریکا اور یورپ کے ماہرینِ امراضِ قلب، نفسیات دانوں، طبی ماہرینِ عمرانیات اور سماجی نفسیات دانوں نے اس سوال پر تحقیق شروع کی کیا قربِ مرگ کے تجربات یہ ثابت کرتے ہیں کہ موت وجود کے خاتمے کا نام نہیں اور یہ کہ شعور ذہن سے ہٹ کر بھی وجود رکھتا ہے۔ یوں قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کا شعبہ پیدا ہوا۔

اگلے تیس سال تک محققین نے قربِ مرگ کے تجربے سے گزرنے والے ہزاروں افراد کی کیس رپورٹس جمع کیں۔ اس دوران نئی ٹیکنالوجی اور تکنیک نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دھڑکن اور نظامِ تنفس کو بحال کرنے میں مدد دی۔ دھڑکن اور نظامِ تنفس کی بحالی کے ماہر اور قربِ مرگ کے تجربات کے سرکردہ ماہر سام پرنیا نے ۲۰۰۶ء میں لکھا کہ ہم اب اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں مرنے کے عمل میں جو کچھ بھی انسان پر گزرتی ہے، اُسے جاننے کے لیے مطلوب آلات اور ذرائع موجود ہیں۔ سام پرنیا عالمی سطح پر تحقیق کے ذریعے آزمانا چاہتے تھے کہ کیا اُن مریضوں نے شعور کی بیداری محسوس کی تھی جنہیں طبی طور پر مردہ قرار دے دیا گیا تھا۔

۲۰۱۵ء تک پرنیا جیسے ماہرین کے تجربوں کے نتائج بہت مبہم تھے اور قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کا شعبہ اپنی ابتدا کے

وقت جہاں تھا وہاں سے، موت کو سمجھنے کے معاملے میں، کچھ خاص آگے نہیں بڑھ پایا تھا۔ تب بورجیکن اور اُن کے ساتھیوں نے مریضہ نمبر ایک کو لائف سپورٹ سسٹم سے ہٹائے جانے کے وقت اُس کے دماغ کی سرگرمیوں کے ریکارڈ کا جائزہ لیا۔ گزشتہ سال پہلی بار سامنے آنے والے نتائج سے اُنہوں نے جو کچھ پایا، وہ مکمل طور پر غیر متوقع تھا اور اِس کے نتیجے میں موت کی نئی تفہیم ضبطِ تحریر میں لانے کی راہ ہموار ہوئی سمجھئے۔

بورجیکن نے بتایا ’’میں یہ سمجھتی ہوں کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے وہ برف کے ایک بڑے تودے کا محض کونا یا سرا ہے۔ اِس کے نتیجے یہ سب کچھ چھپا ہوا ہے کہ موت دراصل کس طور واقع ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دماغ میں ایسا بہت کچھ چل رہا ہوتا ہے جس کا کوئی سَر، پیر نظر نہیں آتا۔‘‘

فطری علوم وفنون نے زندگی کے بارے میں بہت کچھ جان لیا ہے مگر موت اب بھی سب سے پیچیدہ سربستہ اسرار میں بہت نمایاں ہے۔ معروف فلسفی ولیم جیمز نے ۱۹۰۹ء میں لکھا تھا ’’مجھے کئی بار یہ ماننا پڑا ہے کہ خالقِ کائنات نے ابدی طور پر یہ چاہا ہے کہ موت کے بارے میں انسان حیرت زدہ ہی رہے تاکہ ہمارا تجسس، امیدیں اور شکوک مساوی حجم سے برقرار رہیں۔‘‘

پروفیسر جیمو بورجیکن نے ۲۰۱۵ء میں موت کے وقت دماغ کی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کا سوال اٹھایا مگر یہ سوال کوئی پہلی بار نہیں اٹھایا گیا۔ ۱۷۴۰ء میں فرانس کے ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک ایسے دواساز وعطار کے کیس کا جائزہ لیا تھا جس نے شدید بخار میں مبتلا ہونے اور بہت خون بہہ جانے پر بے ہوشی کی حالت میں ’’انعام یافتہ لوگوں کی سلطنت‘‘ کی سیر کا دعویٰ کیا تھا۔ اس ڈاکٹر کا گمان تھا کہ اُس عطار کا یہ احساس دماغ میں خون زیادہ مقدار میں پہنچنے کا نتیجہ تھا۔ مگر خیر اُس کیس کے بعد سے بیسویں صدی کے وسط تک قربِ مرگ کے تجربات واحساسات میں علمی برادری کی دلچسپی برائے نام رہی۔

۱۸۹۲ء میں سوئس کوہ پیما اور ماہرِ ارضیات البرٹ ہائم نے ۳۰ کوہ پیماؤں کے تجربات کی تفصیل جمع کی جو ہلاکت خیز انداز سے گرنے کے بعد قربِ مرگ کے مرحلے سے گزرے تھے۔ بیشتر کا کہنا تھا کہ انہوں نے اپنے گزرے ہوئے زمانوں کو دیکھا، روح کو تازگی بخشنے والی موسیقی سُنی اور ایسی جنت کی سیر کی جس کی فضا میں گلاب سے لدے ہوئے بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ البرٹ ہائم نے لکھا ’’اِس کے بعد اِسی کیفیت کے نقطۂ عروج پر شعور اِس طور ختم ہوا کہ کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔‘‘ بیسویں صدی میں قربِ مرگ پر تحقیق کے حوالے سے تھوڑا سا اور کام بھی ہوا تاہم اِس کیفیت کو سمجھنے کے حوالے سے کچھ خاص پیش رفت ممکن نہ بنائی جاسکی۔ ۱۹۷۵ء میں امریکا میں طب کے طالبِ علم ریمنڈ مُوڈی نے ’’لائف آفٹر لائف‘‘ کے زیرِ عنوان ایک کتاب شائع کی۔

مُوڈی نے اپنی کتاب میں ایسے ۱۵۰ لوگوں کی رپورٹس شامل کیں جنہوں نے دل کی دھڑکن بند ہوجانے کے لمحات میں کچھ ایسا محسوس کیا جس نے اُن کی زندگی ہی بدل دی۔ اِن رپورٹس میں اگرچہ اچھا خاصا تنوع تھا تاہم لوگوں نے جو کچھ بیان کیا، اُس میں مرکزی خیال یکساں تھا۔ سبھی نے مجموعی طور پر یہ بتایا کہ اُن لمحات میں وہ اپنے جسم سے الگ ہوئے، ایک سُرنگ سے گزرے، اپنے پیاروں کی ارواح کے ساتھ ساتھ ایک نوری وجود سے ملے، زندگی بھر کے واقعات آنکھوں کے سامنے آگئے اور پھر وہ لوگ اپنے جسم میں واپس آگئے۔ یہ سب کچھ ایسا لگا بندھا تھا کہ فن کے ایک بڑے نقاد رابرٹ ہیوز نے اِسے گزشتہ برس ’’قربِ مرگ کا جانا پہچانا نمائشی یا مصنوعی تجربہ‘‘ کہا۔ بہرکیف، مُوڈی کی کتاب انٹرنیشنل بیسٹ سیلر ثابت ہوئی۔

نیویارک ٹائمز نے ۱۹۷۶ء میں بتایا کہ سائنس کی دنیا کے لوگ قربِ مرگ میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اور اِس کے نتیجے میں thanatology کا شعبہ ابھر رہا ہے۔ اگلے سال مُوڈی اور چند دوسرے تھینیٹولوجسٹس نے مل کر ایک تنظیم بنائی جسے انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف نیئر ڈیتھ اسٹڈیز کا نام دیا گیا۔ ۱۹۸۱ء میں انہوں نے عام قارئین کے لیے ’’وائٹل سائنز‘‘ کے نام سے ایک جریدے کا افتتاحی شمارہ شائع کیا جس میں قربِ مرگ کے تجربات بیان کیے گئے تھے۔

اگلے سال انہوں نے اس شعبے کا پہلا، متعلقہ ماہرین کا نظرثانی شدہ، جریدہ ’’جرنل آف نیئر ڈیتھ اسٹڈیز‘‘ شائع کرنا شروع کیا۔ قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کا شعبہ پروان چڑھنے لگا تھا اور اِسے خالص علمی حلقوں میں بہت حد تک احترام کی نظر سے بھی دیکھا جانے لگا تھا۔ اس شعبے کا عروج دیکھتے ہوئے ۱۹۸۸ء میں دی برٹش جرنل آف سائیکاٹری نے لکھا ’’قربِ مرگ سے متعلق تحقیقات کے ذریعے یہ امید ظاہر کی جارہی ہے کہ ہم انسان کے فانی ہونے، اس کی اہمیت اور موت کی نوعیت کے بارے میں تجرباتی تناظر میں پہلی بار کچھ جاننے کے قابل ہوسکیں گے۔‘‘

قربِ مرگ سے متعلق تحقیق مختلف مکاتبِ اعتقاد میں منقسم ہوچکی تھی اور یہ کیفیت اب تک پائی جاتی ہے۔ ایک بااثر کیمپ اُن ’’روحانی‘‘ لوگوں کا تھا جو ایونجیلیکل تھے یعنی انجیلِ مقدس میں بیان کردہ بشارتوں پر یقین رکھنے والے عیسائی۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ قربِ مرگ کے احساسات وتجربات عالمِ برزخ اور سلطنتِ ربانی کے حوالے سے بالکل برحق تھے۔ محققین کی حیثیت سے یہ روحانی طبقہ قربِ مرگ سے متعلق زیادہ سے زیادہ رپورٹس جمع کرنا چاہتا تھا تاکہ معاشرے کو موت کے بعد کی زندگی یا آخرت کا بھرپور یقین دلاسکے۔

ریمنڈ مُوڈی ’’بشارتی‘‘ عیسائیوں کا اہم ترین ترجمان تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ بعد میں اُس نے دعویٰ کیا کہ وہ کئی زندگیاں گزار چکا ہے اور پھر امریکی ریاست الاباما کے دیہی علاقے میں ایک ’’سائیکومینٹیم‘‘ تعمیر کیا جہاں لوگ جمع ہوتے اور ایک مدھم روشنی والے آئینے پر توجہ مرکوز کرکے اُن لوگوں کی ارواح کو بلانے کی مشق کرتے جو اِس دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔

قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کرنے والوں کا دوسرا، سب سے بڑا گروپ پیراسائیکولوجسٹس (ماہرینِ ماورائے نفسیات) کا تھا جو اس بات میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے کہ شعور کے حوالے سے فطری علوم وفنون والوں کی بنیادی مہارت غلط ثابت ہوجائے۔ فطری علوم وفنون اس حقیقت کی تبلیغ کرتے رہے ہیں کہ ذہن جسم سے ہٹ کر کوئی وجود نہیں رکھتا۔ یہ محققین، جو بہت حد تک تربیت یافتہ سائنس دان ہی تھے اور تحقیق کے مروج طریقوں کو اپنائے ہوئے تھے، اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ قربِ مرگ سے متعلق احساسات و تجربات اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی اُس کا شعور زندہ رہ سکتا ہے اور رہتا ہے۔ ان میں سے بہت سے عام ڈاکٹر (جنرل فزیشین) اور ماہرینِ نفسیات (سائیکیاٹرسٹ) تھے جو انتہائی نگہداشت کے یونٹس میں خدمات انجام دینے کے دوران مریضوں سے قربِ مرگ کی کہانیاں سُن کر بہت متاثر ہوئے تھے۔ وہ شعور سے متعلق اپنے نظریات کو تجربات کے ذریعے عمل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے تھے تاکہ قربِ مرگ سے متعلق تعلیمات کو ایک باضابطہ شعبۂ علم کا درجہ دلوایا جاسکے۔

تیسرا، سب سے چھوٹا گروہ اُن محققین کا تھا جنہیں فزیکلسٹ کہا جاسکتا ہے۔ یہ سائنس وہ تھے جنہوں نے دماغ کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا تھا اور قربِ مرگ کے ہر احساس وتجربے کو خالص حیاتیات کی کسوٹی پر پرکھتے تھے۔ یہ ماہرین، خوابوں کی طرح، قربِ مرگ کے تجربوں کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ اُن سے نفسی امور کی سچائیاں بے نقاب ہوسکتی ہیں مگر یہ سب کچھ بھی اُس واہمے ہی کے ذریعے تھا جو دماغ اور جسم کے ملے

جلے انفعال کی بنیاد پر واقع ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قربِ مرگ سے متعلق جو احساسات و مشاہدات بہت سے مریضوں نے ریکارڈ کرائے، وہ کسی انتہائی طاقتور نشہ آور شے کے استعمال کے نتیجے میں بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ اُن کا انتہائی بنیادی استدلال یہ تھا کہ جب دماغ ختم ہو جاتا ہے تو پھر کسی بھی سطح کا شعور بھی باقی نہیں رہتا۔ اُن کا کام، جو بورجگن نے ۲۰۱۵ء میں سنبھالا، یہ معلوم کرنا تھا کہ قربِ مرگ کے تجربوں کے دوران بنیادی طور پر جسم میں کیا واقع ہو رہا ہوتا ہے۔

روحانیوں نے دھیرے دھیرے تحقیق سے رخصت لی اور کریچین ٹاک ریڈیو کی زیادہ پُرکشش دنیا میں قدم رکھا۔ پیراسائیکولوجسٹس اور فزیکلسٹس نے قربِ مرگ کے تجربوں اور مشاہدوں کو فطری علوم و فنون کے مرکزی دھارے کے نزدیک لانا شروع کیا۔ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۴ء کے دوران خالص علمی مطبوعات کی PubMed ڈیٹا بیس میں صرف ۱۷ مقالوں میں قربِ مرگ کے تجربوں کا ذکر کیا گیا۔ اس کے بعد کے عشرے میں ایسے مقالوں کی تعداد ۶۲ ہو گئی اور حال ہی میں ختم ہونے والے عشرے میں ایسے مقالوں کی تعداد ۲۲۱ رہی ہے۔ ایسے مقالے کینیڈین یورولوجیکل ایسوسی ایشن جرنل سے دی لانسیٹ تک تمام موقر جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔

آج دنیا بھر میں قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کرنے والوں میں یہ تاثر عام ہے کہ ہم عظیم انکشافات اور دریافتوں کے نزدیک پہنچ چکے ہیں۔ بلجیم کی یونیورسٹی آف لیج میں ذہنی امراض کی ماہر چارلوٹ مارشل نے فزیکلسٹ کی حیثیت سے قربِ مرگ کے شعبے میں گراں قدر کام کیا ہے۔ انہیں امید ہے کہ ہم بہت جلد (بالخصوص کوما والے مریضوں میں) شعور کے اندرونی تجربہ و احساس اور بیرونی مظاہر کے درمیان ربط کے حوالے سے نئی تفہیم تک پہنچ جائیں گے۔ انہوں نے بتایا ’’یہ بہت اہم لمحہ ہے جہاں ہمیں شعور کو محض جواب (response) دینے کے معاملے سے الگ کرنا ہے اور شاید ہم لاشعور کی ہر کیفیت پر بھی سوال اٹھانے لگیں۔‘‘

پرنیا، جو مریضوں کی دھڑکن اور تنفس بحال کرنے کے ماہر ہیں اور مرنے کے عمل کے مطالعے کے ساتھ ساتھ شعور سے متعلق پیراسائیکولوجسٹس کے نظریے سے بھی ہمدردی رکھتے ہیں، یکسر مختلف نظریہ رکھتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے ’’میرا خیال ہے کہ ۵۰ یا ۱۰۰ سال میں ہم یہ جان پائیں گے کہ شعور دراصل ہے کیا چیز۔ اس خیال کی وقعت باقی نہ رہے گی کہ یہ دماغ کے ذریعے پیدا نہیں ہوتا اور جب ہم مرتے ہیں تب یہ مرتا نہیں۔‘‘

آج قربِ مرگ کے مطالعے کے حوالے سے ہم اگر شعور اور موت کے بارے میں کچھ نیا دریافت کرنے کے بہت نزدیک ہیں تو اس کا سہرا بنیادی طور دھڑکن اور تنفس بحال کرنے کی مہارت کے سر ہے۔ ٹیکنالوجی حیران کن پیش رفت کی حامل ہیں۔ اس شعبے میں لانس بیکر تین عشروں سے قائدانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ اُنہوں نے جونیئر ڈاکٹر کی حیثیت سے ۱۹۸۰ء کے عشرے کے اوائل میں اُن لوگوں کو کارڈیو پلمونری ریسسکیٹیشن (سی پی آر) کے ذریعے دوبارہ زندگی کی طرف لانے کی کوششیں شروع کیں جنہیں سینئر ڈاکٹر مردہ قرار دے چکے ہوتے تھے۔ لانس بیکر بتاتے ہیں ’’ایک خاص مرحلے تک پہنچ کر سینئر ڈاکٹر کہتے کہ او کے، اتنا کافی ہے، اب کوشش ترک کر دو، ہم ناکام ہو چکے ہیں، موت کا وقت ایک بج کر سینتیس منٹ۔‘‘

’’یہ گویا اُن کی طرف سے آخری کوشش ہوتی تھی۔ اور تب میرے ذہن میں یہ چل رہا ہوتا تھا کہ ایک بج کر سینتیس منٹ پر کیا ہوا؟‘‘

طبی طریق کار کے مطابق ’’کلینکل ڈیتھ‘‘ (طبی موت) اس وقت واقع ہوتی ہے جب دل خون کو کھینچ کر آگے بڑھانے کا عمل (پمپنگ) ترک کر دیتا ہے اور نبض تھم جاتی ہے۔ اسے بالعموم ’’ہارٹ اریسٹ‘‘ کہا جاتا ہے۔ یہ ’’ہارٹ اٹیک‘‘ (دل کا دورہ) سے مختلف ہے جس میں دل کی شریانوں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تاہم دل خون کی پمپنگ کرتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں چند ہی منٹ کے اندر دماغ اور دیگر اعضا کو آکسیجن کی فراہمی رُک جاتی ہے۔ دل اور دماغ کی سرگرمیوں کا مکمل طور رُک جانا (جسے بالعموم ’’فلیٹ لائننگ‘‘ کہا جاتا ہے اور موخر الذکر کیس میں ’’برین ڈیتھ‘‘ یعنی دماغی موت کہا جاتا ہے) کئی منٹ اور بعض کیسز میں کئی گھنٹوں تک واقع نہیں ہوتا۔

تاریخ میں تقریباً تمام زمانوں میں اور تمام لوگوں کے نزدیک ہارٹ یا کارڈیئک اریسٹ ہی بنیادی طور پر موت رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے یہ تصور تبدیل ہونے لگا جب منہ کے ذریعے مصنوعی تنفس دیا جانے لگا، سینے کو سختی سے دبا کر دل کی دھڑکن کو بحال کرنے کی کوششیں عام ہوتی گئیں اور دل کی دھڑکن کو بحال کرنے کا باضابطہ طبی طریق کار ’’کارڈیو پلمونری ریسسکیٹیشن‘‘ (CPR) رسمی حیثیت اختیار کرتا گیا۔ اسے اردو میں ’’ازالۂ رجفان‘‘ کہا جاتا ہے۔ بہت جلد ایسے بہت سے لوگوں کو دوبارہ زندگی کی طرف لایا جانے لگا جنہیں پہلے مردہ قرار دے دیا جاتا تھا۔

جب زیادہ سے زیادہ لوگوں کے دھڑکن اور تنفس بحال کرنے میں کامیابی ملنے لگی تب سائنس دانوں نے سیکھا کہ عین آخری لمحات میں بھی موت کوئی پوائنٹ یا مقام نہیں بلکہ محض عمل ہے۔ ہارٹ اریسٹ کے بعد خون اور آکسیجن جسم میں رواں ہونا چھوڑ دیتے ہیں، خلیوں میں شکست و ریخت شروع ہو جاتی ہے اور دماغ میں نارمل برقی سرگرمیاں بے ربط ہونے لگتی ہیں۔ اس کے باوجود اعضا لازمی طور پر کام ترک نہیں کرتے اور دماغ اپنا کام مکمل طور پر چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار نہیں کرتا۔ اب بھی زندگی کی طرف پلٹنے کا امکان موجود رہتا ہے۔ بعض کیسز میں خلیوں کی شکست و ریخت روکی یا نمایاں حد تک سُست رفتار کی جا سکتی ہے، دل کو دوبارہ دھڑکتا کیا جا سکتا ہے اور دماغ کے افعال دوبارہ شروع کیے جا سکتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں کہا جائے تو موت کو تو خیر نہیں مگر مرنے کے عمل کو پلٹا بھی جا سکتا ہے۔

اب یہ کوئی اَن سُنی بات نہیں رہی کہ لوگوں کو طبی طور پر مُردہ قرار دیے جانے کے ۶ گھنٹے بعد بھی زندگی کی طرف لے آیا گیا۔ ۲۰۱۱ء کی بات ہے۔ جاپان میں ڈاکٹرز نے بتایا کہ ایک نوجوان عورت نے کسی دوا کی زیادہ خوراک لے لی۔ وہ ایک جنگل میں اس حالت میں ملی کہ دل بند ہو چکا تھا۔ جدید ترین ٹیکنالوجی کی مدد سے خون اور آکسیجن کو اُس کے جسم میں دوڑا کر ڈاکٹرز اُسے کم و بیش ۶ گھنٹے بعد ’’بحال‘‘ کرنے میں کامیاب ہوئے اور ۶ ہفتوں تک غیر معمولی نگہداشت کے بعد وہ اسپتال سے گھر گئی۔ ۲۰۱۹ء میں برطانیہ کی آڈرے شومین ایک برفانی طوفان میں کم و بیش ۶ گھنٹے تک اس حالت میں پڑی رہی کہ اُس کا دل بند ہو چکا تھا تاہم دماغ کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ڈاکٹرز اُسے دوبارہ زندگی کی طرف لانے میں کامیاب ہوئے۔ لانس بیکر نے بتایا ’’میرے خیال میں اس شعبے میں اس سے زیادہ شاندار وقت پہلے کبھی نہیں آیا۔ ہم دماغ سے متعلق نئی باتیں جان رہے ہیں، نئی دوائیں اور نئے آلات تیار کر رہے ہیں۔

دماغ بہت پیچیدہ مشینری ہے۔ جنوری ۲۰۲۱ء کی بات ہے۔ کورونا کی وبا بڑھتے بڑھتے ہلاکتوں کے لحاظ سے خطرناک ترین ہفتے میں داخل ہو چکی تھی۔ تب نیٹ فلکس نے ’’سروائیونگ ڈیتھ‘‘ کے زیرِ عنوان دستاویزی فلموں کی ایک سیریز جاری کی۔ پہلی قسط میں پیراسائیکولوجسٹس نے قربِ مرگ سے متعلق تحقیق کی روشنی میں بتایا کہ وہ کیوں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ دماغ سے ہٹ کر بھی شعور موجود اور فعال رہ سکتا ہے۔ اس ڈاکیومینٹری میں یونیورسٹی آف ورجینیا کے پروفیسر ایمیریٹس برائے نفسیات اور انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار نیئر ڈیتھ اسٹڈیز کے بانی رکن بروس گریسن نے بتایا ’’جب دل بند ہو جاتا ہے تو ۲۰ سیکنڈ کے اندر دماغ بھی کام کرنا چھوڑ بیٹھتا

ہے۔اس کے باوجود بہت سے لوگوں نے، جن کے دل اور دماغ نے اِس سے بھی زیادہ دورانیے کے لیے بظاہر کام کرنا چھوڑ دیا تھا، بتایا کہ وہ قربِ مرگ کے مرحلے سے گزرے ہیں“۔

پیراسائیکولوجسٹس کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اگر دماغ کے کام چھوڑ دینے پر بھی شعور کام کر رہا تھا تو پھر یہ سمجھا جائے کہ شعور دراصل دماغ سے کہیں دور اپنا وجود برقرار رکھتا ہے۔ بعض پیراسائیکولوجسٹس کا خیال ہے کہ کوئی ”غیر مقامی“ قوت ہے جو، برقی مقناطیسی میدان کی طرح، پوری کائنات پر محیط ہے۔اس قوت کو ذہن پیدا نہیں کرتا بلکہ صرف وصول کرتا ہے جیسے کوئی ٹی وی سیٹ کسی براڈ کاسٹ کو صرف وصول کرتا ہے۔

اِس دلیل کی مضبوطی اور اِس کے درست ثابت ہونے کے لیے ایک اور بات کا درست ثابت ہونا بھی لازم ہے...... یہ کہ قربِ مرگ کے احساسات مرنے کے دوران واقع ہوتے ہیں جب ذہن کام کرنا چھوڑ چکا ہوتا ہے۔اس کے لیے پیراسائیکولوجسٹس قربِ مرگ کے حوالے سے ”ویریڈیکل“ کہلائے جانے والے کیسز کا حوالہ دیتے ہیں جن میں مریض آپریشن تھیٹر کی ایسی تفصیل بیان کرتے ہیں جو صرف اُس صورت میں اُنہیں معلوم ہوسکتی تھی کہ وہ، طبی طور پر مُردہ قرار دیے جانے کے دورانیے میں، پورے شعور کے ساتھ سانس لے رہے ہوتے۔ ایسی درجنوں رپورٹس موجود ہیں۔ اِن میں جو زیادہ مقبول ہیں اُن میں ایک عورت کا کیس بھی شامل ہے جس نے ایک اسپتال میں ہارٹ اریسٹ کے بعد اپنے جسم سے باہر اس قدر سفر کیا کہ اسپتال کی ایک کھڑکی میں پھنسے ہوئے جُوتے کا بھی ذکر کیا۔وہ جوتا بعد میں ایک نرس نے دریافت کیا۔

پرنیا اور اُن کے ساتھیوں نے کم از کم سطح پر لکھا ”قربِ مرگ کے احساس جیسے معاملات کو ذہن سے متعلق جدید ترین تحقیقی ماڈلز کے ذریعے جانا اور پرکھا نہیں جاسکتا۔“

پیراسائیکولوجسٹس کے لیے بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ بعد از مرگ شعور سے متعلق رپورٹس سخت اور غیر جانب دار خالص علمی تجزیے میں کھری نہیں اترتیں۔ پیراسائیکولوجی کی معروف محقق سیو بلیکمور، جو خود بھی اپنی جوانی یعنی ۱۹۷۰ء کے عشرے کے دوران قربِ مرگ کے تجربے سے گزری تھیں، کہتی ہیں ”قربِ مرگ کے تجربے جیسے بہت سے دعوے سامنے آتے رہے ہیں مگر میں نے کئی عشروں پر محیط اپنے پروفیشنل کریئر کے دوران جسم سے باہر (out of body) اور قربِ مرگ جیسے تجربہ واحساس کے حوالے سے کوئی ایسا کیس نہیں دیکھا جو ٹھوس شواہد لیے ہوئے ہو“۔

بلیکمور کا کہنا ہے کہ کھڑکی میں جُوتے کا معاملہ اُس نرس کی رپورٹ کی بنیاد پر قائم ہے جس نے اُسے دریافت کیا تھا۔علمی برادری شعور کے جسم سے باہر، قربِ مرگ اور بعد از موت کے بعد بھی فعال رہنے کے معاملے میں اِس سے کہیں زیادہ ٹھوس شواہد طلب کرتی ہے۔دوسرے بہت سے کیسز میں بھی اس امر کے ٹھوس شواہد موجود نہ تھے کہ ہارٹ اریسٹ کے مریضوں نے جو تجربات بیان کیے وہ اس وقت ہوئے جب اُن کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔یہ معاملہ دماغی موت سے قبل اور بعد کے برعکس تھا۔

چارلوٹ مارشل کہتی ہیں ”اس امر کے ٹھوس شواہد ناپید ہیں کہ لوگ قربِ مرگ کے تجربے میں اپنے ماحول کی چیزوں کو بھی اچھی طرح نوٹ کر سکتے ہیں۔“

پیراسائیکولوجسٹس کا کہنا ہے کہ قربِ مرگ کے تجربوں اور متعلقہ بیانیوں پر علمی برادری کے نزدیک شک وشبے کی گنجائش ہے تب بھی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اِن واقعات پر مبنی رپورٹس اور بیانیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اِس کی کچھ توقعت تسلیم کی جانی چاہیے۔اِس دلیل کو سَر سے پکڑ کر زمین پر پٹخا جاسکتا ہے۔اگر موت کے بعد بھی شعور برقرار و کارگر رہتا ہے تو پھر اسے تجربے کے ذریعے ثابت کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

شاید قربِ مرگ سے متعلق کہانیوں کو لکھنے کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں ہے کہ شعور اُس سے بہت مختلف ہے جیسا ہم اُسے سمجھا کرتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ مرنے کا عمل اُس سے پیچیدہ تر ہے جتنا سائنس دان اِسے سمجھتے آئے ہیں۔روحانیت پر یقین رکھنے والے اور پیراسائیکولوجسٹس بالکل درست کہتے ہیں کہ جب لوگ مرتے ہیں تو کچھ بہت ہی عجیب ہو رہا ہوتا ہے مگر اُن کا یہ سوچنا غلط ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے اُس کا تعلق اِس دنیا اور اِس زندگی سے نہیں بلکہ اگلی زندگی سے ہوتا ہے۔یہ بات جیمو بورجگن کو مریضہ نمبر ایک کے کیس میں چھان بین کرنے سے معلوم ہوئی۔

جب مریضہ نمبر ایک کے لیے آکسیجن کی فراہمی روکی جا رہی تھی تب اُس کے مرتے ہوئے دماغ میں خاصی ہلچل دکھائی دی تھی۔لائف سپورٹ سسٹم کے لگے رہنے کے وقت اُس کے دماغ کے جو حصے پُرسکون اور خاموش تھے وہ آکسیجن کی فراہمی بند کیے جانے کے ساتھ ہی اچانک غیر معمولی فریکوئنسی والے سگنلز (گاما شعاعیں) سے بھر گئے۔سائنس دان دماغ کے جس حصے کو ہوش مندی وشعور کا ”گرم حصہ“ کہتے ہیں وہ ڈرامائی طور پر زندہ وفعال ہوگیا۔دماغ کے بعض حصوں میں سگنلز کم وبیش ۶ منٹ تک دکھائی دیتے رہے۔وہ مریضہ نمبر ایک کا وینٹیلیٹر ہٹائے جانے سے پہلے کے وقت کی کیفیت کے مقابلے میں گیارہ یا بارہ گنا تیز تھے۔

جیمو بورجگن نے بتایا ”جب مریضہ نمبر ایک موت کے عمل کی انتہائی منزل میں تھی تب اُس کا دماغ ہائپر ڈرائیو کی حالت میں تھا۔آکسیجن ہٹائے جانے کے بعد تقریباً دو منٹ تک مریضہ کے دماغ کی لہروں یں ہلچل مچی رہی۔ یہ کیفیت شناخت وفکر کے ساتھ ساتھ غیر معمولی ارتکازِ توجہ اور حافظے سے بھی متعلق ہے۔یہ سب کچھ ۱۸ اسیکنڈز کے لیے دھیما پڑ گیا مگر پھر کم وبیش چار منٹ تک پہلی سی ہلچل اور افراتفری پیدا ہوئی۔ پھر یہ کیفیت ایک منٹ کے لیے دم توڑنے کے بعد تیسری بار مزید ایک منٹ کے لیے عود کر آئی“۔

موت کے اِنہی لمحات کے دوران مریضہ کے دماغ کے مختلف حصے اچانک ایک دوسرے سے رابطے میں آئے۔شدید تر رابطے آکسیجن ہٹائے جانے کے فوراً بعد شروع ہوئے اور تقریباً چار منٹ تک جاری رہے۔لائف سپورٹ سسٹم ہٹائے جانے پر ایسی ہی رابطہ کاری مزید پانچ منٹ اور بیس سیکنڈز تک دکھائی دی۔یہ رابطہ کاری بیداری کی حالت میں ہمارے مشاہدات کو پروسیس کرنے والے اور ہمارے خوابوں کی تجزیہ کاری کرنے والے حصوں اور حافظہ تشکیل دینے والے حصوں کے درمیان تھی۔

ہمدردی محسوس کرنے والے دماغی حصوں کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔جب مریضہ موت کے منہ میں جا رہی تھی تب دماغ کی کارکردگی دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے کئی منٹ تک زندگی واقع ہو رہی تھی۔

زندگی جیسی اُن چند جھلکیوں اور جھپکاروں سے دھڑکن و تنفس کی بحالی اور قربِ مرگ سے متعلق تحقیق سے وابستہ تمام ہی لوگوں کے نظریات کی نفی ہوتی ہے۔ نیٹفلکس سیریز میں انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف نیئر ڈیتھ اسٹڈیز کے شریک بانی اور نفسیات دان گریسن کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ جیسے ہی آکسیجن کی فراہمی بند ہوتی ہے، دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ ویسے تو بہت سے مریضوں میں مرتے ہوئے دماغ کی کارکردگی نوٹ کی گئی تھی مگر مریضہ نمبر ایک کے دماغ میں جو کچھ دکھائی دیا وہ بہت الگ اور حیرت انگیز تھا۔

مریضہ نمبر ایک کے دماغ میں جو کچھ چلتا ہوا دکھائی دیا اُس کی بنیاد پر جیمو بورجگن نے یہ اندازہ لگایا کہ اُسے شاید قربِ مرگ کا احساس و تجربہ ہوا ہوگا، جسم سے باہر نکلنے کا احساس ہوا ہوگا، روشنی دکھائی دی ہوگی، خوشی اور متانت کے احساسات ابھرے ہوں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی پوری زندگی کا تجزیہ کرنے کا موقع ملا ہوگا۔ مریضہ نمبر ایک چونکہ جانبر نہ ہوسکی تھی اس لیے کوئی نہیں جانتا کہ اُس کا دماغ

کن مراحل سے گزرا ہوگا۔ گریسن اور اس سے ذہنی مطابقت رکھنے والے قربِ مرگ پر تحقیق کے ایک اور دلدادہ ہالینڈ کے ماہرِ امراضِ قلب پم وان لومیل کہتے ہیں کہ مریضہ نمبر ایک قربِ مرگ کے مرحلے سے نہیں گزری ہوگی کیونکہ اِس کے دل نے دھڑکنا مکمل طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ یہ دلیل بالکل کارگر نہیں کیونکہ قربِ مرگ کے دوسرے سیکڑوں یا ہزاروں کیسز میں کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ ایسا تجربہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب دل کی دھڑکنیں مکمل طور پر تھم جائیں۔

مریضہ نمبر ایک کے دماغ کی حرکات اور بورجیگن کی زیرِ نگرانی و نگہداشت رہنے والی ایک اور ۷۷ سالہ خاتون (مریضہ نمبر تین) کے مرتے ہوئے دماغ کی حرکات اس دلیل کا دروازہ بند کردیتی ہیں کہ کلینیکل یا طبعی موت کے واقع ہونے پر چند لمحات میں دماغ کام کرنا ترک کردیتا ہے۔ بورجیگن کا کہنا ہے کہ ہر ایک کے دعووں اور اندازوں کے برعکس ہارٹ اریسٹ کی صورت میں یعنی دھڑکنوں کے رک جانے پر دماغ زیادہ فعال ہوجاتا ہے۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ موت دراصل اُتنی مُردہ یا مار دینے والی نہیں ہوتی جتنا ہم سمجھتے ہیں۔

بورجیگن کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ مرتے ہوئے دماغ کو سمجھنا ذہن سے متعلق وسیع علم یعنی نیوروسائنس کا ایک مقدس شعبہ ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ دماغ اور دل دونوں اِس قدر صدمات جھیل سکتے ہیں کہ اُنہیں غلط استعمال کے ذریعے مُردگی کی طرف لے جانے میں کئی سال بھی لگ سکتے ہیں۔ تو پھر ایسا کیوں ہے کہ آکسیجن نہ ملنے پر مکمل صحت مند انسان صرف ۳۰ منٹ میں دم توڑ دیتا ہے اور پھر اُسے ''بحال'' بھی نہیں کیا جاسکتا؟ بورجیگن کا خیال یہ ہے کہ طبعی یا جسمانی سطح پر یہ سوال بے معنی ہے۔

بورجیگن کو امید ہے کہ نیوروفزیولوجی کو سمجھنے کی صورت میں ہم موت کا عمل پلٹ بھی سکتے ہیں۔ اُن کے پاس مرے ہوئے درجنوں افراد کی ذہنی حرکات کا ڈیٹا موجود ہے اور وہ اِس کے تجزیے کی تیاری کر رہی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ قربِ مرگ کی تحقیق سے مافوق الفطرت اوامر کا لاحقہ لگا ہوا ہے اس لیے ایسے تحقیقی اداروں کی تعداد بہت کم ہے جو اُنہیں تحقیق کے لیے مطلوب فنڈز دے سکیں۔ وہ کہتی ہیں ''فنڈز فراہم کرنے والوں کے نزدیک ہوش مندی یا شعور گندے الفاظ ہیں۔ فطری علوم و فنون پر سوچنے اور تحقیق کرنے والوں کا خیال ہے کہ شعور اور قربِ مرگ کے حوالے سے تحقیق مذہبی اداروں یا فلسفیوں کو کرنی چاہیے، طبعی علوم میں اِس کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ قربِ مرگ کے بارے میں تحقیق سے فائدہ؟ مریضوں کو تو کسی نہ کسی طور مرنا ہی ہوتا ہے۔ ہم اُن کے مرنے کے عمل پر تحقیق کیوں کریں؟ جو مر ہی رہے ہوں اُن کے لیے کوئی بھلا کیا کرسکتا ہے؟''

اس امر کے شواہد ابھر رہے ہیں کہ ایک دن ہم دماغ کی موت کے عمل کو پلٹنے میں بھی کامیاب ہوجائیں گے۔ ۲۰۱۹ء میں امریکا کی ییل یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے ایک مذبح میں چار گھنٹے قبل کاٹے جانے خنزیروں کے سَر حاصل کیے۔ پھر اُنہوں نے مختلف دواؤں اور مصنوعی خون سے تیار کردہ محلول اِن سَروں میں موجود دماغوں میں داخل کرکے اُنہیں ۶ گھنٹے تک یونہی رہنے دیا۔ اُنہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ دماغ کے بعض خلیوں نے دوبارہ متحرک ہونا شروع کردیا اور چند ایک نے تو رابطہ کاری بھی شروع کردی۔ خنزیروں کے سَروں کی اسکیننگ کیے جانے پر وہ برقیاتی تحرک تو دکھائی نہیں دیا جو عام پر ہم شعور سے منسلک کرتے ہیں۔ مگر خیر، اِن دماغوں میں کسی نہ کسی حد تک تحرک کا پایا جانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے ہم ایک دن موت کی حدود میں داخل ہوکر زندگی کے افق کو مزید وسعت دینے میں ضرور کامیاب ہوں گے اور یہ کامیابی سائنس دانوں کے موجودہ تصورات اور تخمینوں سے بہت زیادہ ہوگی۔

قربِ مرگ کے تجربات سے متعلق تحقیق دیگر شعبوں میں بھی جاری ہے۔ یونیورسٹی آف لیج میں مارشل اور اُن کے ساتھی بہت سے معاملات پر تحقیق میں مصروف ہیں۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا صدمات کا ریکارڈ رکھنے والوں یا زیادہ تخلیقی ذہن کے حامل افراد کو قربِ مرگ کے تجربے سے عام لوگوں کے مقابلے میں زیادہ نمٹنا پڑتا ہوگا۔ قربِ مرگ سے متعلق ارتقائی حیاتیات کے شعبے میں بھی تحقیق جاری ہے۔ ارتقائی نقطۂ نظر سے دیکھیے تو سوال اٹھتا ہے کہ قربِ مرگ جیسے تجربے کسی کو ہوتے ہی کیوں ہیں۔ مارشل اور اُن کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ''تھینیٹوسِس'' کہلانے والی حقیقت ہی کی ایک شکل ہوں جو حیوانات میں اُس وقت پائی جاتی ہے جب وہ کسی بڑے، حقیقی، طبعی خطرے سے مؤثر طور پر نمٹنے کے لیے خود کو مُردہ تصور کرلیتے ہیں۔ بہت سے محققین کے خیال میں ہارٹ اریسٹ کے بعد کسی مرتے ہوئے دماغ میں آخری لمحات کا انتہائی تیز رفتار تحرک دراصل خود کو زندہ کرنے کی آخری کوشش ہوتا ہے جیسے کوئی انجن چالو ہونے کی بھرپور کوشش کر رہا ہو یا چراغ بجھنے سے پہلے پوری قوت سے بھڑک اٹھے۔

اس دوران بہت سے کلچرز میں دنیوی زندگی اور دنیوی علوم و فنون کو کچھ بھی گردانتے والے روحانیت پسند عناصر موت کے بعد کی زندگی کے حوالے سے طرح طرح کی کہانیاں پھیلانے میں مصروف ہیں۔ داستانوں میں پائی جانے والی اُس سرنگ کو بھول جائیے جس کے دوسرے سرے پر روشنی دکھائی دیتی ہے۔ امریکا میں بالخصوص موت کے دروازے سے دولت کی ایک سُرنگ دکھائی دی ہے جو کرسچین میڈیا سے شروع ہوکر نیویارک ٹائمز بیسٹ سیلرز سے ہوتی ہوئی دن کے وقت نشر ہونے والے ٹاک شوز کی آرام دہ کرسیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ پہلا اسٹاپ: جنت۔ دوسرا اسٹاپ: ڈاکٹر اوز۔

خیر، کچھ تو ایسا ہے جو فزیکلسٹس، پیراسائیکولوجسٹس اور اسپرچوئلسٹس کو جوڑتا ہے۔ اِن سب کو جوڑنے والا عامل یہ امید ہے کہ ایک دن ہم فطری علوم اور اپنے اجسام کی حدود سے آگے بڑھنے میں ضرور کامیاب ہوں گے، موت کو مزید گہرائی میں سمجھ سکیں گے اور اِس سے بڑھ کر طویل تر اور بھرپور زندگی سے بہرہ مند ہو پائیں گے۔ قربِ مرگ کے تجربوں میں حقیقی کشش شاید یہی ہے کہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ سب کچھ اگلی نہیں بلکہ اِسی زندگی میں ممکن ہے۔ (ترجمہ: محمد ابراہیم خان)

"The new science of death".
("theguardian.co.uk". April 2, 2024)

بقیہ: چین اور یورپ کی تجارتی سرد جنگ

اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یورپ سے ہٹ کر چلنا چاہتا ہے۔ روس کے معاملے میں اُس نے بہت احتیاط برتی ہے تاکہ کسی نئی جنگ میں الجھنے سے بچا جاسکے۔ یورپ کو اس وقت امریکا سے دلاسے کی ضرورت ہے مگر امریکی کاروباری دنیا اپنے بارے میں سوچ رہی ہے۔ اُس کے نزدیک یورپ یا کسی اور خطے کے مفادات پر متوجہ ہونے سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اپنا گھر درست رکھنے پر توجہ دی جائے۔

اب یورپ بہت حد تک اکیلا رہ گیا ہے۔ برطانیہ نے یورپی یونین کو چھوڑ کر اپنی راہ لی ہے۔ وہ مین لینڈ یورپ کا حصہ ہے مگر اب بھی امریکا کے زیرِ اثر رہتے ہوئے سوچتا ہے۔ باقی ماندہ یورپ کو یہ بات کسی طور پسند نہیں کیونکہ باقی دنیا اور بالخصوص چین سے بھرپور مقابلہ کرنے کے لیے برطانیہ کا باقی ماندہ یورپ کا ساتھ دینا لازم ہے۔

صنعتی پیداوار اور تجارت کے معاملے میں چین سے جیتنا یورپ کے بس کی بات نہیں۔ ایسے میں وہ چاہتا ہے کہ امریکا اُس کا ساتھ دے مگر امریکا کو اپنی پڑی ہے۔ یہ صورتحال چین کے لیے انتہائی موافق ہے کیونکہ وہ جدید ترین ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے یورپ سے ڈٹ کر بات کرسکتا ہے۔

’اگر بی جے پی جیت جائے تو میرا نام بدل دینا‘

جاوید نقوی

تقسیم اور دھڑے بندی کی وجہ سے بھارتی ووٹرز تھکاوٹ کا شکار نظر آ رہے ہیں۔ اسی دوران بھارتی جمہوریت کے لیے حوصلہ افزا خبر سامنے آئی ہے، بھارت میں عام انتخابات کے ساتویں مرحلے کا آغاز ہو رہا ہے۔ ووٹنگ کا آخری مرحلہ یکم جون کو ہوگا جبکہ ووٹوں کی گنتی ۴ جون کو ہوگی۔

بھارت کے سماجی مسائل کا شکار عوام کے لیے یہ خوشخبری حقیقت کا وہ رخ نہیں جو نفرت پھیلانے والے اُس ٹی وی چینل سے ہمیں دیکھنے کو ملے گا جنہیں وہ کارپوریٹ مالکان چلاتے ہیں، جو مودی کی انتخابی مہم میں اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ لیکن ایک معتبر اخبار ’دی ہندو‘ میں شائع ہونے والے سروے میں دیگر اہم نکات اور نتائج سمیت قابلِ اعتبار معلومات سامنے آئیں۔

مودی کی حمایت کرنے والے میڈیا ہاؤسز کے علاوہ گردش کرنے والی رپورٹس لوک نیتی سینٹر فار دی اسٹڈی آف ڈیولپنگ سوسائٹیز (سی ایس ڈیز) کے پری پول سروے صرف ایک بات میں درست ہے۔ ان نتائج سے یہ نظرانداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ نریندر مودی کی انتخابی مہم ڈگمگا رہی ہے۔

دوسری طرف اسی سروے میں نریندر مودی کو ان کے کانگریس مخالفین اور ’انڈیا‘ (انڈین نیشنل ڈیولپمینٹل انکلوسیو الائنس) نامی اپوزیشن اتحاد سے مضبوط بھی دکھایا گیا ہے۔ یہ سروے اس بات کی کوئی یقین دہانی پیش نہیں کرتا کہ اگلے مراحل میں اپوزیشن کے لیے یہ صورتحال بدل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ آخری لمحات میں ہونے والے ممکنہ تفرقہ انگیز رجحان (جس حوالے سے نریندر مودی کی مہم مشہور ہے) میں ووٹرز کا کیا ردعمل ہوگا، اُس کا بھی قابلِ فہم اشارہ نہیں دیتا۔

مودی نے ۲۰۱۴ء کے انتخابات میں فرقہ ورانہ مہم کے ذریعے کامیابی حاصل کی تھی جس میں ووٹرز کی اکثریت والے اتر پردیش کے مظفر نگر میں مسلم مخالف مہم نے اہم کردار ادا کیا۔ جبکہ ۲۰۱۹ء میں وہ پاکستان کے خلاف فوجی محاذ پر ڈرامار چاکر کامیاب ہوئے۔

واضح ہو چکا ہے کہ ایودھیا میں رام مندر کی تعمیر، انتخابات کے حوالے سے ایک بڑا عنصر بننے میں ناکام ہوگئی ہے، پھر چاہے وہ ہندو ووٹرز کے لیے ہو یا پھر بھارت میں آباد دیگر اقوام کے لیے۔ ایک طرح سے یہ مودی کی مہم میں اٹھائے گئے غلط اقدامات کی جانب اشارہ کرتا ہے کیونکہ بھارتی وزیراعظم نے اپنی تمام تر توجہ رام مندر کی تقریب کی ٹی وی کوریج شہروں اور دیہاتوں تک پہنچانے میں لگا دی۔ ہندو پنڈت جیسے حلیے میں وزیراعظم کی تصاویر نے حکمران جماعت کے لیے مزید پریشانی پیدا کی۔

پری پول اسٹڈی بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے حق میں ہے۔ اگرچہ اگر اور مگر کے امکانات کے باوجود اس سروے میں نریندر مودی کی جماعت آگے ہے۔

سی ایس ڈیز کے سروے کے مطابق تقریباً نصف سے زائد رائے دہندگان کو بیروزگاری اور مہنگائی میں اضافے سے متعلق تشویش ہے۔ اس سروے میں حصہ لینے والے دو تہائی سے زائد افراد (یعنی ۶۲ فیصد) جن میں شہریوں کی تعداد زیادہ (۶۵ فیصد) ہے، نے مؤقف اختیار کیا کہ ان کے لیے ملازمتوں کا حصول مشکل بن چکا ہے۔ ایک نمایاں حصہ یعنی ۵۵ فیصد (جو کہ ۲۰۱۹ء کے سروے میں ریکارڈ کیے گئے ۴۰ فیصد سے کئی زیادہ ہے) نے کہا کہ کرپشن بڑھ چکی ہے جبکہ محض ۱۹ رفیصد نے کہا کہ اس میں کمی آئی ہے (۲۰۱۹ء میں یہی تناسب ۳۷ فیصد تھا جس میں اب نمایاں کمی آئی ہے)۔

رائے دہندگان کے لیے رام مندر اور اس جیسے دیگر مذہبی مسائل انتہائی کم اہمیت کے حامل ہیں۔ اس حوالے سے دو طرح کے ردِعمل سامنے آ رہے ہیں۔ ایک نریندر مودی جبکہ دوسرا دہلی میں کانگریس کے امیدوار کنہیا کمار کا ردِعمل جنہیں عام آدمی پارٹی کی حمایت بھی حاصل ہے۔ مودی نے تقسیم کا آپشن کھلا رکھا ہے۔ وہ ملازمتوں اور کرپشن سے متعلق سوالات کا جواب دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ انہیں فرقہ وارانہ تقسیم اور مذہبی جذبات کو بھڑکانا زیادہ دلکش لگتا ہے۔

بہار کے اپوزیشن لیڈر لالو یادو اور کانگریس رہنما راہول گاندھی کی ایک ساتھ مٹن بنانے کی ویڈیو ایک بار پھر گردش کر رہی ہے، جو ستمبر ۲۰۲۳ء میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی تھی۔ حال ہی میں لالو یادیو کے بیٹے اور بہار کے سابق نائب وزیراعلیٰ تیجسوی یادو نے ہیلی کاپٹر میں مچھلی کھاتے ہوئے اپنی ویڈیو پوسٹ کی۔ نریندر مودی نے اس حوالے سے مؤقف اختیار کیا کہ ایسا ہندوتوا کے حامیوں کے جذبات کو مجروح کرنے اور مسلم ووٹ بینک کی خوشامد کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاہم ان کے اس دعوے میں مبالغہ ہے جسے نیوز لانڈری پورٹل کی جانب سے لیے گئے انٹرویوز میں ٹرین میں سوار عام شہریوں نے بھی مسترد کیا۔

یہ تبصرہ شاید مودی نے زیادہ فرقہ وارانہ خیالات رکھنے والی ممتا بنرجی کی حدود کو جانچنے کے لیے دیا ہوگا۔ مغربی بنگال کی خاتون وزیراعلیٰ بی جے پی کے جال میں نہیں پھنسیں اور انہوں نے ان بیانات کا جواب شدت پسندی سے دینے سے گریز کیا۔ مغربی بنگال کی جانب سے ۴۲ ممبران پارلیمنٹ منتخب ہوئے، جن میں سے ۱۸ کا تعلق بی جے پی جبکہ ۲۲ نشستیں ممتا بنرجی نے حاصل کیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس بار وہ بی جے پی کے مقابلے میں دگنی نشستیں جیتیں گی جس کا مطلب ہے کہ مغربی بنگال میں ان کے حریف کی نشستوں میں واضح کمی ہوئی ہے۔ اگر ایسے میں مودی انتخابات سے قبل فرقہ واریت یا مذہبی انتشار پھیلانے کی کوئی ممکنہ کوشش کرتے ہیں تو اس کا ہدف مغربی بنگال یا آسام ہو سکتا ہے۔

ایک جانب جہاں نریندر مودی بیروزگاری اور کرپشن کے بنیادی مسائل پر بات کرنے کو تیار نہیں، وہیں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے سابق کمیونسٹ طالب علم کنہیا کمار نے اپنی توجہ ملازمتوں، ووٹرز کے ساتھ روابط اور بھارت کی معدوم ہوتی سیکولر شناخت پر مرکوز رکھی ہے۔ ایک طرح سے یہ اپوزیشن کے مؤقف کا خلاصہ ہے۔ کنہیا کمار دہلی سے کھڑے ہونے والے ۳ کانگریس امیدواروں میں سے ایک ہیں جبکہ بقیہ ۴ رامیدوار عام آدمی پارٹی سے وابستہ ہیں۔

اس اتحاد نے بی جے پی کو پریشان کر دیا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ پہلی بار سٹنگ وزیراعلیٰ اروند کیجروال کو نریندر مودی نے ایجنسیز کے ذریعے گرفتار بھی اسی لیے کروایا کہ وہ کانگریس اور عام آدمی پارٹی کے اتحاد سے خوفزدہ تھے۔ لیکن اس سب نے اس اتحاد کو مزید مقبولیت دی اور اب اس کی بازگشت پنجاب، گوا اور سب سے اہم وزیراعظم کی اپنی آبائی ریاست گجرات میں بھی سنائی دے رہی ہے۔

کنہیا کمار شمالی دہلی سے بطور امیدوار کھڑے ہیں جہاں ۲۰۲۰ء میں بڑے پیمانے پر مسلم مخالف پُرتشدد واقعات کا سامنا کیا۔ واضح طور پر ایسا متنازع شہریت کے قوانین کے خلاف ملک گیر مہم سے توجہ ہٹانے کے لیے کیا گیا تھا۔ اُنہیں امید ہے کہ اس حلقے میں تبدیلی لائیں گے جہاں ہمسایہ ریاستوں کے فرقہ ورانہ گروہوں کی جانب سے بھی مسلمان مخالف جذبات کو ہوا دی گئی۔

پہلے مرحلے میں مغربی اتر پردیش کی ۹ نشستوں پر پولنگ ہوگی۔ یہ علاقہ جٹ کسانوں، راجپوت پاور بروکرز اور دیگر بااثر ذاتوں کا گڑھ ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے جس مودی کی حمایت کرتے تھے، اب وہ اسی کے خلاف بغض رکھتے ہیں۔ اپنے حلقے کی فرقہ واریت کی صورتحال کنہیا کمار کو مزید طاقتور بنائے گی اور اسی نے انہیں یہ کہنے کا حوصلہ دیا ہے کہ ’اگر بی جے پی کو دوبارہ اقتدار ملے تو میرا نام بدل دینا‘۔

"Change his name if BJP wins".
(Daily "Dawn" Karachi. April 16, 2024)

MA'ARIF FEATURE - Publisher:Shahid Hashmi; Printer:Hassan M.Abbasi,City Press,Karachi; Office:D-35,Block-5,F.B.Area,Karachi-75950